1008

A record of
Bulandshahar
mushairas

قوسِ قزح

Contains references
to me as R.M.

سلسلہ مطبوعات نمائش بلندشہر

جلد اوّل

قوسِ قزح

With Compliments
to
Dr. Ram Babu Saksena, Rai Bahadur, U.P.C.S.
M.A., LL.B.,
D'Litt (Honoris Causa)
Premier Bundi State
S Hamid
25.2.'47

مرتبہ

سیّد حامد

معاون۔

خضر برنی

قیمت عہ

قوسِ قزح

غزل

(حضرت جمیل الدین عالی دہلوی)

جانِ خلوص و روحِ تمنا کہیں جسے
ہم اس کو ڈھونڈھتے ہیں کہ اپنا کہیں جسے

اکثر ملے گی محفلِ سرگشتگانِ گل
اس گوشۂ چمن میں کہ صحرا کہیں جسے

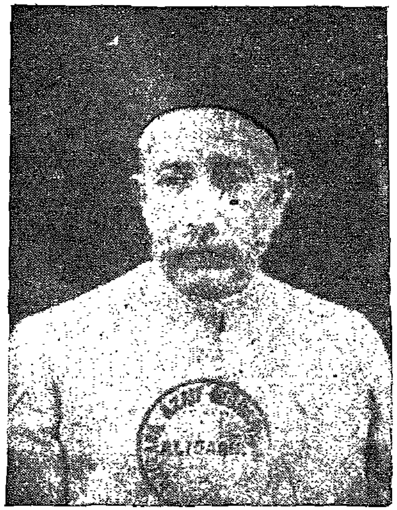
منجملۂ ہزار غمِ عشق و روزگار
وہ غم بھی ہے کہ سعیِ مداوا کہیں جسے

ان شارحینِ غم کو بھلا غم سے کیا غرض
اک شغل ہے کہ غم کا تماشا کہیں جسے

ہر صاحبِ نگاہ کے حق میں حیاتِ دہر
اک جبر ہے کہ جبرِ گوارا کہیں جسے

یارب وہ غم کبھی نہ ہو میری زبان پر
اہلِ مجاز حرفِ تمنا کہیں جسے

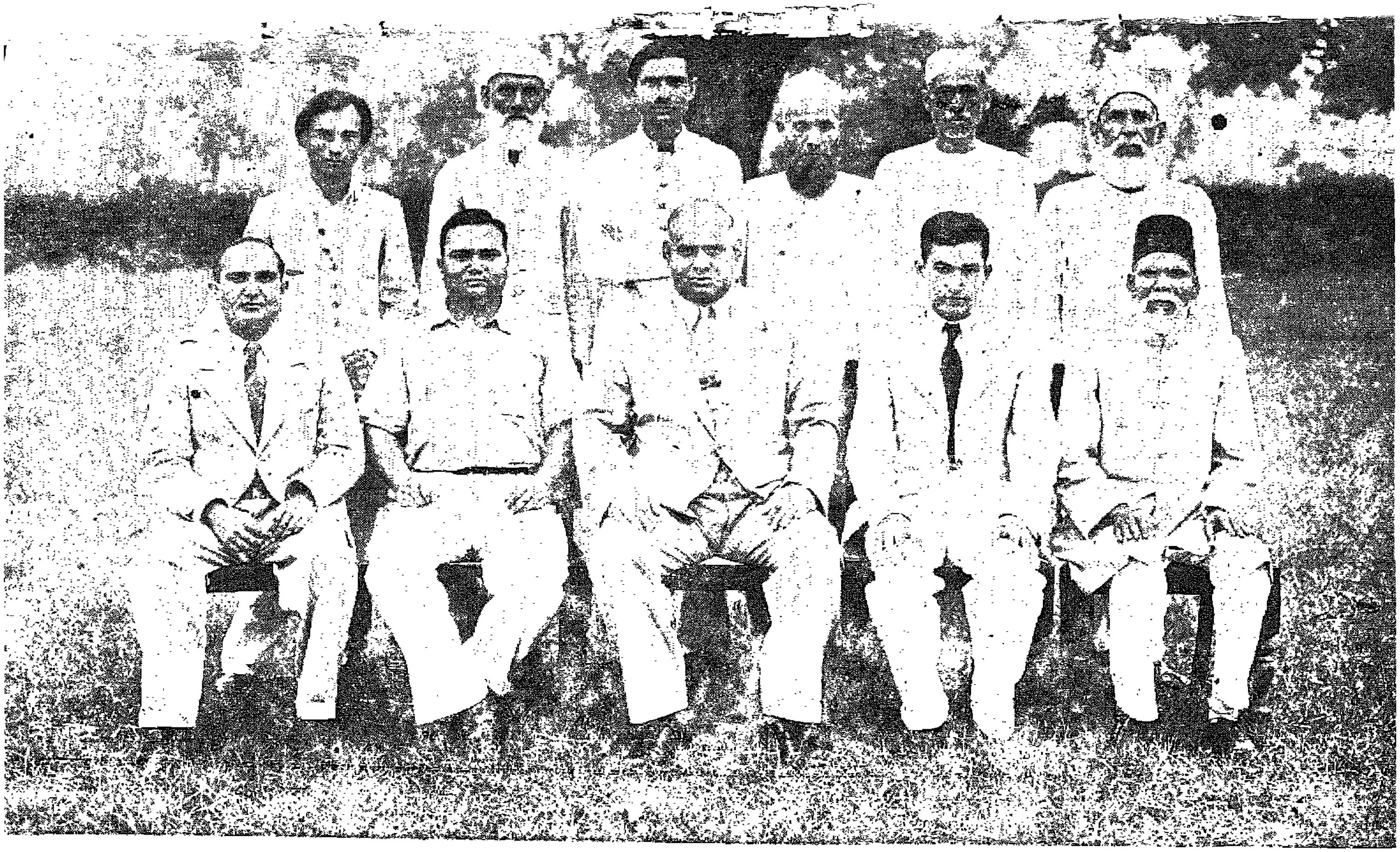
افسوس حلقہ ہائے خرد میں اسیر ہے
عالیؔ کہ ایک قلبِ سراپا کہیں جسے



رائے صاحب جگت نرائن صاحب بیری
رئیس و آنریری مجسٹریٹ
بلندشہر



نواب مکرم علی خاں صاحب مکرم
رئیس پہاسو



کرسیوں پر:–
بائیں جانب سے:– مسٹر بھٹناگر، پی، سی، ایس مسٹر ووسا، پی، سی، ایس ڈاکٹر رام بابو سکسینہ (رائے بہادر) صاحب ہٖ تاریخ ادب اُردو ءء و اُردو فارسی کے یورپین شعرا سید حامد پی- سی- ایس حضرت شوخ برنی

کھڑے ہوئے حضرات – جناب پیامی حضرت مضطر صابری حضرت خضر برنی حضرت رحمت برنی حضرت حبیب برنی حضرت برق برنی

پیش لفظ

سائنس کا انکشاف ہے کہ صدائیں ضائع نہیں ہوتیں اور ایتھر کے سینہ میں محفوظ رہتی ہیں ممکن ہے کہ ایسا ہو لاسلکی کی شہادت بھی یہی ہے، لیکن ایک دفعہ جو صدا فضا میں منتشر ہو گئی اس کو دوسری صداؤں سے علیحدہ کر کے سامع کے روبرو پیش کر دینا ہنوز انسان کے قبضۂ اختیار میں نہیں ہے، ظاہر ہے کہ مشاعرہ زمانی اور مکانی اعتبار سے کس قدر محدود ہوتا ہے، ایک مخصوص وقت کیلئے ایک مخصوص جگہ پر سامعین کی ایک محدود تعداد شعرا کی ایک جماعت کو سن سکتی ہے اور بس مشاعرہ کو وقت اور مقام سے آزاد کر لینے کی کوشش، یہ ہے آپ کا گلدستہ، گلدستہ میں مشاعرہ کی ایک تصویر ملتی ہے خواہ اس کے رنگ اڑے ہوئے کیوں نہ ہوں اس دور میں جبکہ ترنم کو فروغ ہے یہ فرق زیادہ نمایاں ہو گیا ہے، شعر کے حسن و قبح کے متعلق سامعہ اور باصرہ میں اکثر شدید اختلاف رائے ہوتا ہے، سامعہ جن اشعار پہ وجد کرتا تھا وہ آنکھ کو ایک آنکھ نہیں بھاتے، بہر صورت ہمارے لئے وہ زیادہ معتبر ہے جو آنکھ کی وساطت سے ذہن قائم کرے، یہاں بھی شنیدہ سے دیدہ بہتر، شعر کا داخلی ترنم اس کا بنیادی وصف ہے لیکن خارجی ترنم جو آواز کا محتاج ہے صیقل سیماب پاسے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

گو یا گلدستہ کا مفاد دوگونہ ہے، مشاعرہ کو قرطاس پر محفوظ کر لینا دوسرے مشاعرے کے کلام کا صحیح تجزیہ۔ یہ امر مسلم ہے کہ نقد سخن کیلئے کان کے پردے سے بہتر کسوٹی آنکھ کی پتلی ہے۔

گلدستہ کا جواز تسلیم لیکن مشاعرہ کے جواز میں کیا دلائل لائیے گا؟

اوّل تو مشاعرہ ایک مخصوص منظر رکھتا ہے جو ادب کی کسی دوسری شکل سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ایک دلکش ادارہ ہے جس کے اپنے علیحدہ آداب اور روایات ہیں، شعر اور موسیقی کا سنگم شعر کی کشش اور تاثیر کو دوچند کر دیتا ہے تحت اللفظ پڑھنے والے مضمون اور معنی کی وضاحت اور حرکات و سکنات پر خاص توجہ صرف کرتے ہیں، غرضیکہ ذوقی لطافتوں کے علاوہ مشاعرہ کا افادی پہلو بھی ہے کہ اسکی بدولت فن شعر خوانی محفوظ رہتا ہے، اور روز بروز اسکے ساتھ ترقی پذیر۔

عوام کیلئے مشاعرہ ایک بے ضرر تفریح ہے جو نادانستہ دل و دماغ پر اور کم از کم زبان پر تو ضرور ہی اثر انداز ہوتی ہے وہ سکون جو اسکی بدولت میسر آتا ہے وہ آسودگی اور انبساط جو اس کی ہمرکاب ہوتی ہے تھکن اور الجھنوں کو دور کرنے کے علاوہ مسرت کا سامان فراہم کرتی ہے، اور پاکیزہ مشاعرے تو ایک مستقل درس ہوتے ہیں، فن مجلسی کا اور شائستگی کے ایک اعلیٰ معیار کا دوسرے جلسوں پر مشاعرہ کی فوقیت کا یہ ایک اہم پہلو ہے، دماغ و اطوار کی تربیت کیلئے پابند تفریح سے زیادہ کارگر کوئی وسیلہ نہیں آزادی کی حالت میں بھی اطوار بے عناں نہ ہو جائیں، یہ ہے پہلی نشانی ایک تربیت یافتہ دماغ کی یہ بات ان ہی منظم جلسوں میں حاصل ہوتی ہے جہاں کہ آداب و قواعد کا احترام داخلہ کی پہلی شرط ہے، اسی نکتہ میں کھیلوں (کرکٹ ہاکی وغیرہ) کے تعمیری پہلو کا بھید ملتا ہے کہا جاتا ہے کہ انگلستان کی فتوحات اس کے پبلک اسکولوں کے میدانوں میں ہوئیں یعنی اس ملک کے افراد نے کھیلوں میں جو تربیت حاصل کی وہی انکی عظمت اور تاریخی کارناموں کی سنگ بنیاد ثابت ہوئی مشاعرہ سے کھیل کے میدان تک کافی فاصلہ ہے لیکن دونوں کی معاشرت میں مشابہت ہے، دونوں کی آزادی میں پابندی ہے

اور دنگلوں کی تفریح میں آچکی ہے، میرا اشارہ صرف ان مشاعروں کی طرف ہے (افسوس ہے کہ انکی تعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے) جہاں مشاعرہ کے آداب ملحوظ رکھے جاتے ہیں ورنہ مسخ شدہ مشاعرہ میں (جنکا اب رواج پا رہا ہے) اطوار کی تخریب کے امکانات زیادہ ہیں سنجیدگی عام شاعروں سے اس حد تک پرواز کر گئی ہے کہ ثقہ اور سنجیدہ حضرات مشاعرہ سے گریز کرنے لگے ہیں اس بے راہ روی کی روک تھام کی اشد ضرورت ہے ورنہ وہ دن دور نہیں جب مشاعرہ کو وہی سامعین میسر ہونگے جو ہمارے گشتی تھیٹروں اور ناٹکوں کا حصہ ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے بڑے گنہگار طالب العلم ہیں ان ہی کی بدعت سیئہ کو قبول عام حاصل ہوا ہے تعلیمی اداروں کے ارباب انتظام کا فرض ہے کہ طالب علموں کو یہ سمجھا دیں کہ وہ مشاعرہ کو اپنی شوخ طبعی کا مظاہرہ نہ بنائیں اور نہ اپنی نام نہاد زیرکی کا ہو کہ جس مشاعرے میں ہڑبونگ زیادہ ہو وہاں طلبا کا جمگھٹ ضرور ہوگا، جو بات ان سے سرزد ہو گئی اسے عوام خوش فعلی اور بذلہ سنجی اور شائستگی کا معیار و محک سمجھ کر لے دوڑتے ہیں، اگر طالب علم تائب ہو جائیں تو مشاعرہ کی سطح یک لخت بہت بلند ہو سکتی ہے

دوسری اپیل منتظمین مشاعرہ سے ہے جمہوریت کے اس دور میں جبکہ سرکشی مترادف حریت ہے اور جبکہ ناطقہ کا ان تھک استعمال ہر شخص کا پیدائشی حق ہے - ہر ایسی محفل میں جہاں کثیر اجتماع ہو "نقص امن" کی مدافعت کیلئے انتظامات ضروری ہیں ہر مشاعرہ پر پولیس درکار ہے یہ دیکھا گیا ہے کہ مشاعرہ کی فضا کو برہم کرنیوالے حضرات چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر ایوان کے مختلف گوشوں میں بیٹھ جاتے ہیں اگر ایک جگہ بیٹھیں تو گرفت آسان ہو جائے لہذا ارباب مشاعرہ کا فرض ہے کہ ایسے تمام گوشوں کی (جو صدر سے دور ہیں اور جہاں کی صدا کا مخرج و منبع نظروں سے مخفی رہ سکتا ہے) شروع ہی میں ناکہ بندی کر دیں میمنہ میسرہ قلب اور عقب غرضیکہ فصل برہم زنوں کے لشکر کے خلاف ہر طرف مورچہ بندی ہونا چاہئیے - یہ انتظام دوامی نہیں ہے، کچھ عرصے کے بعد جب مشاعرہ کی جدید روایات زائل اور قدیم آداب بحال ہو جائیں تو ان کی ضرورت نہ رہے گی اور یا تو ان کا مشاعرہ کی دنیا سے مفقود ہو چکا ہوگا۔

منتظمین اور سامعین سے کم گنہگار بعض شاعر بھی نہیں ہوتے اول تو انہیں طوالت خصوصاً غزلوں میں پرہیز کرنا چاہئیے۔ غزل میں ۹ شعر سے تجاوز کرنا سامعین کے ضبط کی آزمائش کرنا ہے بلکہ آزمائے ہوئے کو آزمانا ہے، زود گوئی اور بسیار گوئی آمد اور استادی مسلم لیکن صوت سیر اور ذوق سلیم کے فقدان کا اظہار کیا ضروری ہے، دیوان میں بھرتی راہ پا جائے تو پا جائے لیکن سامعین کو یہ پھیکے گھونٹ کیوں پلائے جاتے ہیں، اگر ذوق پر یا اپنے کلام کی بابت اپنی رائے پر اعتماد نہیں ہے تو مشاعرہ سے پہلے چند سخن فہم احباب کو اپنی غزل سنا دیجئے اور ان اشعار پر نشان لگا دیجئے جن پر گرمجوشی نہ کی (اخلاقی) داد ملی ہے، ان ہی کو مشاعرہ میں پڑھئیے۔

ایک اور نکتہ جس کی تحصیل گرداب میں ڈالدیتی ہے یہ ہے کہ آپ خواہ مضامین اور زبان میں کتنا ہی اجتہاد برتیں شعر پڑھتے وقت جادۂ اعتدال سے بچاؤ نہ کیجئے کیونکہ سامعین کو یہ حرکت ایک آنکھ نہیں بھاتی یہ اور بات ہے کہ آپ اچھے شعر کو خراج تحسین سمجھ کر داد سخن سے اور پھینک جائیں، اگر آپ مغنی کی طرح تان لگائیے گا تو داد بھی اسی پیرایہ کی پائیے گا اور کیا عجب کہ تحسین نفرت ہو جائے، اگر ہاتھ اور جسم کی حرکات کو زیادہ نمایاں کیجئے گا تو رقص و سماع کا سماں پیدا ہو جائیگا جس میں آپ کے معتقدین بھی شریک ہونگے، اگر بایں ہمہ تن و توش نحیف آواز سے پڑھئیے گا تو مسخرین محفل آپ کو مجسمہ روزگار سمجھ کر باغ باغ ہونگے، اگر آپ نحیف الجثہ ہیں اور نحیف آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں تو سامعین کے باہمی استفسارات میں آپ کی آواز دب جائیگی اور صدا کی لہر آپ کے دہن و گوش کے درمیان ایک دائرہ (ے ے ے ے) بنا لے گی، اگر آپ کی آواز فطرتاً کمزور ہے

تو زیادہ بلند آواز سے پڑھنے کی کوشش نہ کیجئے، کیونکہ اگر آپ کے گلے نے یک لخت آپ کے حوصلے کے ساتھ عدم تعاون کر دیا تو آپ دیکھیں گے کہ آپ ساکت ہیں اور تمام سامعین گویا۔

اگر آپ صف اوّل کے شاعر ہیں اور آپ کی شہرت بھی یہی ہے تو آپ ہر صورت میں مشاعرہ کا سامنا کر سکتے ہیں ورنہ مندرجہ ذیل صورتوں میں مشاعرہ میں شرکت کا قصد نہ کیجئے۔

(۱) آپ کی آواز نحیف یا کرخت ہے (۲) آپ میں کوئی شرعی عیب ہے۔ (۳) آپ کو اپنی عظمت کا قوی احساس ہے اور آپ اس کے اخفا پر قادر نہیں ہیں، (۴) اگر شکل "معقول" نہیں ہے آپ کا جمالیاتی ذوق تو یقیناً بہت ارفع ہے لیکن سامعین کا بھی بہت پست نہیں (۴) آپ تنگ مزاج یا تندخو ہیں، اگر آپ نے جواباً سامعین کو سخت سست کہہ دیا یا ان کے ذوق پر حملہ کر دیا تو وہ انتقاماً اپنی "کور ذوقی" کا مظاہرہ اس طرح کریں گے کہ آپ کو مسند چھوڑتے ہوئے ہی بن پڑے گی، یہ اور بات ہے کہ آپ ایک چبھتا ہوا برجستہ فقرہ جواب میں کہہ دیں جو جلی کٹی سے زیادہ مؤثر ثابت ہو کر۔

مشاعرہ دوسرے پہلوؤں سے بھی کارآمد ہے، اس سے شعر و شاعری کا چرچا اور زبان کی اشاعت ہوتی ہے، شعرا میں صحت مند مقابلہ کا جذبہ فروغ پاتا ہے، مشق بڑھتی ہے، طرح میں شعر کہنے سے زبان پر قدرت پیدا ہوتی ہے، لیکن طرح کی پابندی سے بعض اوقات شعریت کا خون ہو جاتا ہے، اور یہ تصور بھی بہت بلند نہیں کہ شاعر پر خارجی قیود لگا دی جائیں، اور اس کیلئے سانچے کو غیر ضروری حد تک متعین و محدود کر دیا جائے، اگر کسی مصرعہ طرح سے طبیعت ہم رنگ نہیں ہوتی تو کہنا کیا ضروری ہے، اور اب تو مشاعرہ میں غیر طرحی غزلیات کافی رائج ہو گئی ہیں۔

مشاعرہ بیشتر غزل تک محدود ہے، اردو شاعری کی طرح ہی مشاعرہ کی سب سے بڑی کمزوری ہے، طرح کے ساتھ اگر موضوعات بھی دے جائیں تو تمام مشاعرے بے کیف یکرنگی سے بھی محفوظ رہیں، اور شعرا رسمیت سے بری ہو جائیں، حالی اور آزاد نے اس صدی کے اوائل ہی میں یہ ضروری اصلاح کی تھی مگر وہ کم آب ندی کی طرح رسمی غزل کے ریگزار میں خشک ہو کر رہ گئی۔ غزل کا سانچہ اس قدر ڈھلا ہوا ہوتا ہے کہ سوائے صف اوّل کے شعرا کے دوسرے شاعر اس میں ذہن و فکر پر زور دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، اس سانچے میں تھوڑی سی مشق کے بعد بآسانی رسمی الفاظ اور رسمی مضامین بھرے جا سکتے ہیں، اگر فکر میں تازگی بھی ہوتی ہے تو وہ رسمی الفاظ کی پوشاک میں کر اپنی انفرادیت اور اہمیت کھو بیٹھتی ہے اس امر کی بڑی وجہ یہ ہے کہ غزل ہنوز ہماری شاعری پر چھائی ہوئی ہے غزل ہی شاعر ہماری قوتوں کا آسانی ہے۔ غزل میں متفرق متنیات کے کئی لگاتار ان تھک محنت کی ضرورت نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے بیشتر شاعر آخر حیات تک ترقی کرتے ہیں تو عموماً بس اپنی کہنہ عروض اور زبان پر قادر ہو گئے، اور بندشیں چست ہو گئیں، سوائے اس کے کہ ان کے مختلف ادوار میں امتیاز کرنا ناممکن ہے، کہیں ذہنی ترقی کی جذباتی تغیر یا فکری ارتقا کا پتہ لگانا بہت دشوار ہے رسمیت نے ہمارے شعر زار کو بنجر کر رکھا ہے، مشاعروں میں اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس دور انقلاب و ابتلا میں بھی کس حد تک چھائی ہوئی ہے، صف اوّل کے چند شاعر اور ترقی پسند گروہ کے اکثر افراد اس رسمیت سے بری ہیں، عامۃ الشعرا ابھی تک اس میں گرفتار ہیں، اور مشاعروں کی وساطت سے اسی رسمیت کا پرچار کر رہے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جدید یا فکر انگیز اشعار مشاعرہ کو سرد بنا دیتے ہیں، ادب میں نئے رجحانات جب تک قوی نہیں ہو سکتے اور نہ کوئی اہمیت یا عظمت اور بقا پا سکتے ہیں جب تک کہ عوام کا مذاق ان کو قبول نہ کر لے، ضرورت ہے کہ مشاعرہ کو جو قدامت کا خادم ہے معتدل جدیدیت

کا آلہ کار بنایا جائے، اگر ایک سال بھی ملک کے طول و عرض میں موضوعی مشاعرے منعقد ہو گئے جس میں کہ عروضی اجتہادات اور دیگر جدید رجحانات سلیقہ کیساتھ سموئے ہوئے منظر عام پر لائے گئے تو پرانے ادب پر مرنے والوں اور نئے ادب پر ہنسنے والوں کی تعداد بہت کم ہو جائے گی، نہ صرف عوام کے مذاق کی اصلاح ہو جائیگی بلکہ وہی مذاق شاعرہ کی امتحانگاہ میں ترقی پسند بے اعتدالیوں کا بھی قلع قمع کر دے گا،

مشاعرے ہی رسمی غزل کی آخری پناہ گاہ ہیں، غزل نے اگر وہاں کوئی حریف دیکھا تو وہ بھی اپنی صلاحیتوں کو بیدار اپنے جوہروں کو اجاگر اور اپنے دائرہ کو وسیع کرنے کی کوشش کرے گی، اردو شاعری کے سارے جسم میں تازہ لہو گردش کرنے لگے گا، اس وقت ہمارے دونوں دبستان قدیم اور جدید اپنی مصنوعی اور تنگ دنیا الگ بنائے ہوئے ہیں، قدیم وضع کی شاعری کو زندگی سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اس میں اس کا انعکاس ہی نہیں ہوتا اسی طرح جدید شاعری ہر چند کہ اس میں موجودہ زمانہ کا پُر خروش انعکاس ملتا ہے مذاق عامہ سے جدا بلکہ متأثر ہے، وہ زمانہ سے جدا ہے یہ مذاق عامہ سے مختلف ہے، حالانکہ زندہ اور پائندہ ادب کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کی جڑیں اہل زبان کے مذاق میں ہوں اور وہ آئینہ ہو اپنے عصری رجحانات کا، مشاعرہ کے ایوان ہی میں یہ دونوں دبستان باہم مل سکتے ہیں، دونوں کی اصلاح اور تکمیل کیلئے یہ ارتباط بہت ضروری ہے،

مشاعرہ کی ایک لطیف تر شکل مخصوص نشست ہے، اس میں سامعین کی تعداد محدود ہوتی ہے، صرف چیدہ چیدہ حضرات مدعو کئے جاتے ہیں، اس نشست کے آداب و قواعد مشاعرہ سے مختلف ہیں، یہ محفل زیادہ پُر سکون اور زیادہ بے تکلف ہوتی ہے، شعراء عموماً ایسی محفلوں میں وہ چیزیں پڑھنے میں بھی تامل نہیں ہوتا جو مشاعرہ میں عدم اعتبار کے خوف سے ان کی زبان پر نہیں آتیں یعنی وہ کلام جو فکر سے مملو ہونیکی وجہ سے عام مجمع کیلئے عسیر الفہم ثابت ہوتا لیکن مشاعرہ کی سی گرمی محفل اس نوع کی نشستوں میں کہاں، نہ مسابقہ کا وہ لطف، نہ وہ طرح کی سر نگیاں نہ وہ سامعین کا انداز ستائش، نہ وہ منتظمانہ، نہ وہ تقدیم و تاخیر، نہ وہ رات کا افسوں، نہ اہتمام کے ہنگام آنکھوں میں رات بھر کی نیند کا خمار، میکشوں کی سی کیفیت ... نہ وہ ہمہ گیر وجد، نہ وہ تحسین کی نیرنگیاں نہ قافیہ کے حسن اور ردیف کی نشست کا اعلان نہ آواز کی جھنکار،

درازنفسی معاف، اب دو ایک باتیں بلندشہر کے متعلق بھی سن لیجئے، کیونکہ یہیں کی محفلوں کے پھول ہیں جو اس گلدستہ میں یکجا کئے گئے ہیں، ہمارے مقاصد کیلئے مرکزی حیثیت نمائش کے مشاعرہ کو حاصل ہے جو ۲ر فروری سنہ ۱۹۴۶ء کو زیر صدارت ڈاکٹر رام بابو صاحب سکسینہ دربار ہال میں منعقد ہوا، نمائش ہی ہمارے گلدستہ کی طباعت کی کفیل ہے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہ ضلع گنگا اور جمنا کے دوآب میں واقع ہے زمین زرخیز ہے اور آبپاشی فراواں ہے باشندگان بیشتر خوشحال ہیں اور تعلیم کا رواج بھی عام ہے، دلی کا قرب ہے، شہر والوں کی زبان بہت صاف ہے اس دیار میں شعر و شاعری کا چرچا کافی، جہانگیر آباد جو نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کا وطن تھا اس ضلع کا ایک قصبہ ہے، مرزا غالب کے مشہور شاگرد اور مکتوب الیہ منشی ہرگوپال تفتہ سکندر آباد کے رہنے والے تھے ان کے اخلاف میں اب تک شعر و سخن کا شوق باقی ہے، آئے دن مشاعرے ہوتے رہتے ہیں، وہ مشاعرہ ایک عرصہ تک نہ بھولنے گا جو راستے بہادر ڈاکٹر رام بابو صاحب سکسینہ کو ڈاکٹریٹ ملنے کی تہنیت میں منعقد ہوا تھا۔ صدارت

خان بہادر نواب مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر نے فرمائی، مقامی شعرا کے علاوہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، ماہر القادری، صابر، راز مرادآبادی، بسمل شاہجہانپوری، بشیشور پرشاد منور لکھنوی، ستیش چندر طالب دہلوی، فیض جھنجھانوی، آغا سرخوش دہلوی، ظریف دہلوی، اور حضرت جعفری نے شرکت کی، مقامی شعراء کے قصائد کے بعد مندرجہ بالا شعرائے کرام نے اپنا کلام سنایا، تا اختتام حاضرین ہمہ تن گوش رہے، جعفری صاحب کی لطیف ظرافت اور دلکش اور معنی خیز نصیحتوں نے نقل محفل کا کام کیا۔

بلندشہر کے اس گوشہ میں جہاں ڈسٹرکٹ کلب اور چھتاری ہاؤس کے وسیع میدان، مرغزار، باغات، اور گلزار شامل ہیں اب تک خوش نوایان بلندشہر کی صدائیں گونج رہی ہیں، صمصام مرزا صاحب فرد کے مسکن چھتاری ہاؤس اور بلندشہر کلب میں ضلع کے منتخب شعراء کی مخصوص نشستوں کا سلسلہ ابھی تک حافظوں سے محو نہیں ہوا ہے۔

حسن اتفاق سے ڈاکٹر رام بابو صاحب سکسینہ اپریل سنہ ۱۹۴۴ء میں اس ضلع کے کلکٹر ہو کر تشریف لائے، اور جولائی سنہ ۱۹۴۶ء تک اس عہدہ پر مامور رہے، ان کے دوران قیام میں بلندشہر میں شعر و سخن کے چرچے اور بڑھ گئے۔

نمائش کے مشاعرہ اور دوسرے مشاعروں اور مخصوص صحبتوں میں جو کلام سنایا گیا اس کا انتخاب اس مجموعہ میں پیش کیا جا رہا ہے، افسوس ہے کہ بعض حضرات کا کلام باوجود کوشش کے دستیاب نہ ہو سکا۔

آئیے ہم آپ کو اپنے مہمانوں سے متعارف کریں۔

نواب مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر، صاف رنگ چھریرا جسم قدرے کشیدہ قامت، عمر تخمیناً ساٹھ سال، چشمہ لگاتے ہیں اچکن چوڑے پائچوں کا پاجامہ اور سیاہ لکھنوی ٹوپی، یہ لباس ہے، اطوار و گفتار اس قدر پاکیزہ لہجہ اتنا نرم اور شیریں کہ یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یوپی میں کئی اضلاع کی حکومت اور کشمیر میں قلمدان وزارت سنبھال چکے ہیں اور تمام عمر حکومت کرتے گذری ہے، لکھنؤ کی تہذیب کی خوبیوں کا مرقع، خوش گفتار اور خوش فہم، مشرقی اوضاع کے پابند مشرقی تہذیب کے پیکر تاہم مغرب کے جدید ترین ادب سے باخبر اور اس کے اصول تنقید سے باہرہ ان کی صحت ذوق اور لطافت فکر پہ ایمان نہ لانا کفر ہے، میر کے پرستار ہیں ان کی زبانی میر کے اشعار سنئے اور وہ لطیف نکات جو اس استاد کے کلام میں موجود ہیں، ان نکات کو بیان کرتے وقت چہرہ انبساط سے جگمگا اٹھتا ہے، وہ خوشی جس میں طفلانہ معصومیت اور والہانہ سپردگی ملتی ہے، تحت اللفظ پڑھتے ہیں، زبان صاف ہے اور افکار لطیف، کشمیر کے متعلق اثر کی نظمیں ہماری ادبیات میں گرانقدر اضافہ ہیں، رنگ تغزل بھی خوب ہے۔

نشتر مقتدری سکندرآبادی۔ ضلع بلندشہر کے اساتذہ میں سے ہیں، وطن سکندرآباد ہے جو بلندشہر کی تحصیل ہے اور یہاں سے دلی کی راہ میں گیارہ میل ہے، درمیانی جسم، میانہ قد، گندمی رنگ، نصف صدی طے کر چکے ہیں، گول ڈاڑھی رکھتے ہیں، جس کے بال بیک وقت نور و ظلمت کے حامل ہیں، چہرہ ذہین ہے، خوش الحان ہیں، اتنے غیور اور نازک مزاج ہیں جتنا شاعر ہو سکتا ہے، میں ان کے دیوان پر مقدمہ علیحدہ لکھ چکا ہوں۔ غزلیں عموماً مترنم ہیں، طویل بحروں کو خوب صرف کرتے ہیں، فرط اعتماد اکثر نظر ثانی سے باز رکھتی ہے۔

منظور حسین ماہر القادری ہمارے مشاعرہ میں مہمان بن کر آئے، اگرچہ ہمارے ہی ضلع کے باشندہ ہیں، علیگڑھ چندوسی لائن پر ڈبائی ریلوے اسٹیشن پڑتا ہے، اس اسٹیشن سے دو میل ایک پرانا موضع قادری باغ کے نام سے موسوم ہے یہی ان کا وطن ہے، قامت کشیدہ، رنگ گیہواں، اعضا متناسب، عمر تقریباً ۴۵ سال، آنکھیں چھوٹی، سر اور

مدہوش ہیں، آزاد کی طرح ان میں بھی جادو ہے، افسانے مضامین، غزلیں، نظمیں ان کے ہمہ گیر اور تیز رو قلم کیلئے کچھ دشوار نہیں، مطالعہ کو بیکار نہیں سمجھتے، اور اس سے کلام کو سنوارتے ہیں،

مولوی سید ناصر علی صاحب تاسف خورجوی - سفید فام، قد میانہ سے کچھ کم، بھرا ہوا جسم، چہرہ اور جبین پر عمر کی لکیریں، ظاہر حال پر وضعداری کی مہر لگی ہوئی، نشست و برخاست گفتار و اطوار میں بحد متعلق وضع قطع حضرات لکھنؤ کی سی، گفتگو میں صحت و شرکت زبان کا التزام رکھتے ہیں، ہر بات کو سلجھا کر بیان کرتے ہیں، اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ شعبۂ تعلیم میں زندگی بسر کی ہے، خورجہ کے ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی ہیں، میں نے کم لوگوں کو تحت اللفظ اتنا اچھا پڑھتے ہوئے سنا ہے، آواز میں جان ہے، درد و گداز پیدا کر لیتے ہیں مراثی خوب پڑھتے ہیں، غزلوں میں زبان کی سادگی و صفائی کا التزام ہے، لطفِ زبان ہی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے، باطل شعر میں التزام - بالالتزام برتتے ہیں یعنی بعض مضامین کو ان کے تمام کلام میں کہیں نہ پائیے گا، مثلاً رقابت کا مضمون یا زاہد پر تعریض کلام میں پختگی ہے، موضوعی نظمیں کہنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

شکیل بدایونی - آجکل شاعروں میں کم سخنوروں کو یہ قبول عام حاصل ہے، میانہ قد، سانولا رنگ، بھرا ہوا گول چہرہ جس پر چیچک کے داغ ہیں، عمر تقریباً تیس سال، علیگڈھ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں، نوجوان غزل گو شعراء کی صف اول میں ہیں، چند نظمیں بہت مقبول ہیں، مگر ان کا معیار کمال ان کی غزلیں ہیں جنمیں تخیل کا رنگ منفرد ہے، ایک ہوشیار صناع کی طرح تخیل سانچے کی جستجو اور تشکیل پر زیادہ توجہ صرف کرتے ہیں نئی نئی زمینیں پیدا کرتے ہیں، اس کا دھیان رہتا ہے کہ وہ زمینیں ان کے شعور ترنم سے میل کھاتی ہیں، زمینوں میں وہ ردیف سے عجب تعلق پیدا کرتے ہیں، شکیل کی غزلوں کی کامیابی کا راز ان کی نئی زمینوں اور دلکش ردیفوں میں ملتا ہے سانچہ خوبصورت تیار ہو جاتا ہے، اس کے بعد الفاظ سے اس کی خانہ پری زیادہ دشوار نہیں رہتی، جہاں الفاظ محبت کی بھی آگ سے پگھل جاتے ہیں وہاں ایک کامیاب غزل ترکیب پا جاتی ہے، مضامین میں معرفت اور حقیقت کا تذکرہ ملتا ہے افسوس صرف اتنا ہے کہ انھوں نے جدید رجحانات کو قبول نہیں کیا،

مشتاق گلاوٹھوی - مشتاق حسین نام، مقامی اساتذہ میں شمار ہے پختہ گو ہیں، موضوعی اور تقریبی نظمیں لکھنے میں کمال حاصل ہے، ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور مشاعرہ پر چھا جاتے ہیں، آواز کے اتار چڑھاؤ سے مطالب پر زور دیتے اور مفاہیم ذہن نشین کرانے کا کام لیتے ہیں تشبیہیں عموماً نئی ہیں، اور زبان صاف، روزمرہ محاورہ کا لطف ملتا ہے غزلوں میں بھرتی کے اشعار سے گریز ہے، لشکر کے ہم عمر ہوں گے، ان کا دار السکونت سکندر آباد ہے، ان کی راجدھانی گلاؤٹھی، تاسف خورجہ کو سنبھالے ہوئے ہیں اور مشوخ بلند شہر میں متمکن ہیں، ضلع کے چار اقطاب - مضطر کا قد میانہ ہے رنگ گندمی، جسم اوسط بجتی ہوئی سفید داڑھی، چہرہ پر ذہانت کے نقوش نہیں، اور ناقدر روائی ابنائے زمانہ کا شکوہ امانت ہے

راز مراد آبادی - ساجد علی خاں نام، یوسف زئی پٹھانوں کے اس قبیلہ سے تعلق ہے جو چند نسلیں گذریں روہیلکھنڈ میں آکر آباد ہو گیا تھا جو تخیل کا اہم ہے وہ ان کی صفت ہے - میانہ قد گورا رنگ - متناسب خد و خال بڑی بڑی خمار آلود آنکھیں پریشان گیسو عمر تقریباً ۳۲ سال، زندگی کا انداز شاعرانہ ہے یعنی پابندیوں سے

گریزاں ہیں بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ تھے کیونکہ اب تو ایک عرصہ سے آل انڈیا ریڈیو میں پروگرام اسسٹنٹ ہیں علیگڈھ سے اپنی زبان میں ایم اے کیا، اور ایک سال اردو میگزین کی ادارت کی، جگر کے شاگرد اور معتقد ہیں، استاد کی طرح غزل کے کوچہ سے باہر قدم کم نکالتے ہیں، غزلیں جذبات کی حدت سے تابناک ہیں، پڑھنے کا انداز بھی بہت اچھا ہے، جہاں مصرعہ کہ یک لخت اٹھاتے ہیں، سامعین مسحور رہ جاتے ہیں، اپنے رفیق شکیل کی طرح ان کے کلام میں بھی دور جام کے نقوش بہت ہیں۔

سرشانتی سروپ صاحب بھٹناگر۔ عمر تخمیناً پچاس سال، شہرہ آفاق سائنسداں ہیں طبیعات (Physics) میں عالمگیر امتیاز حاصل کیا ہے، ہندوستان کے سائنسدانوں کے وفد کی قیادت کر رہے ہیں، سکندر آباد کے ممتاز کالستھ خاندان کے چشم و چراغ ہیں، قد میانہ سے کچھ کم، جسم کچھ عمر کے تقاضہ سے فربہی کی طرف مائل، رنگ گندمی، علم کی متانت چہرے سے نمایاں، شعر ضمناً کہتے ہیں، خاصا کہہ لیتے ہیں، دیوان "لاجونتی" طبع ہو چکا ہے، نظم ان کا خاص میدان ہے واقعات حاضرہ پر ایک باخبر اور دردمند انسان کی طرح تبصرہ کرتے ہیں، لیکن ان سے زیادہ پراثر وہ نظمیں ہیں جن کا مضمون ان کی ذات سے قریبی تعلق رکھتا ہے مثلاً وہ نظمیں جن میں اپنی مرحومہ رفیقۂ حیات سے تخاطب ہے، ان کی سائنسی مصروفیات کو نظر انداز کرنا اور شعری اسقام پر زور دینا تنگ نظری ہوگا، ڈاکٹر سکسینہ نے ان کی آمد کے اعزاز میں اپنے دولت کدہ پر ایک مخصوص نشست منعقد کی تھی۔

علامہ ندرت جلالی صاحب۔ موصوف کا بلند شہر میں ورود ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، انھوں نے ہمارے گلدستہ کے پھولوں کے رنگ و بو کا ذکر کرکے گلدستہ کو ایک پھول عطا کیا ہے جو بجائے خود بوقلموں ہے، ندرت صاحب کا قد میانہ سے قدرے کم، رنگ صاف، جسم سانچے میں ڈھلا ہوا ہے، آنکھوں میں بلا کی ذہانت ہے، ان کو دیکھ کر مولانا ابوالکلام یاد آتے ہیں، یہ مشابہت خد و خال تک محدود نہیں بلکہ سیاسی افکار میں بھی نمایاں ہے، صحافت اور سیاست میں خلافت کے زمانہ سے نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں، اب گوشہ نشینی کی طرف راغب ہیں، شہرت طلبی مزاج میں نہیں، شعر گوئی پر کہنہ مشق ہیں، رنگ منفرد ہے، اشعار فکر سے مملو اور جذبات سے بعض اوقات محروم ہیں لیکن فن کی مہارت اور زبان پر قدرت کے سراغ رنگین کہاں معلوم ہونے دیتے ہیں، کہ حریم ناز میں نا طور آرزو جذبات کے بجائے ایک مفکر کہن سال بیٹھا ہوا ہے، غزلیات اور رباعیات کے علاوہ ان کا قابل قدر مقدمہ بھی ہدیہ ناظرین ہے، ایک بذلہ سنج بزرگ نے فرمایا کہ "بڑا جلالی مقدمہ لکھا ہے" تنقید رسمی مداحی نہیں ہوتی، اور اگر مقدمہ میں تنقید نہیں تو اس کا ایک بڑا مقصد تو ختم ہو جاتا ہے، البتہ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ مقدمہ ایک فاضل نقاد کی رائے کا حامل ہے، ادارہ کا ترجمان نہیں مجھ باوجود اپنی کم بضاعتی کے فاضل مقدمہ نگار کے خیالات سے کہیں کہیں اختلاف ہے۔

قابل گلاؤٹھوی۔ صحافت کا اچھا تجربہ رکھتے ہیں اور علوم مشرقی میں دخل، عروض کے ماہر ہیں اور زبان پر ایک حد تک قادر، غزلیں عموماً طویل ہیں، اور فکر کی غماز، تقریر خوب کرتے ہیں، اور روزمرہ کی گفتگو میں بھی الفاظ کے انتخاب ان کی صحیح قرارت اور ان کی نشست کا خیال رکھتے ہیں، اشعار کہنہ مشقی کا ثبوت ہیں صحافتی اور ادبی مشاغل نے بلند شہر چھڑوا دیا ہے، ایک عرصہ سے دلی میں سکونت اختیار کر رکھی ہے، قابل صاحب کا رنگ سانولا ہے، ڈاڑھی رکھتے ہیں، قد میانہ سے قدرے کشیدہ، عمر کوئی چالیس کے قریب ہوگی، وضعدار اور خوش مزاج انسان ہیں۔

کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی سکھوں کے ایک ممتاز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ کہاجاتا ہے کہ سلسلہ نسب گرونانک تک ملتا ہے، سحر تخلص کرتے ہیں، حرکت کو نظر انداز کیجئے، اور سحر کے سرہ سیں تبکوں حار پڑھئے کیونکہ ان کا جادو ہزاروں پر چل چکا ہے اور دلّی اور اس کے قرب و جوار میں ان کا طوطی بول رہا ہے، اور ان کی سخن پروری کا چرچا ہے، شعرا کے حلقہ میں کوئی دوسرا شخص شاید ہی اتنا ہر دلعزیز ہو جتنے کنور صاحب ہیں، پنجاب سول سروس پر کیا منحصر ہے، ایسے روشن خیال وسیع النظر اور خلیق انسان ہر محکمہ اور ہر شعبہ حیات کے لئے باعث ناز ہیں، عمر شاید پینتیس اور چالیس کے درمیان ہوگی، جسم ورزشی ہے گو فربہی کی طرف مائل، وجیہ انسان ہیں، یونیورسٹی میں تھے تو کھیلوں میں نمایاں امتیازات حاصل کئے، آپ ایک عرصہ سے دلّی میں نظم و نسق اور تسخیر قلوب میں مصروف ہیں، اُردو اچھی بولتے ہیں لیکن لب و لہجہ میں پنجاب کی جھلک موجود ہے، میری معلومات محدود ہیں، تاہم یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہیں کرتا کہ اُردو میں ان کی قوم نے ان سے بہتر شاعر پیدا نہیں کیا، عجیب بات ہے کہ ان کے یہاں تغزل کی شیرینی اور ان کے لہجہ میں وہ گداز موجود ہے، جس کی بظاہر اس جنگجو اور شجاع قوم کے افراد سے توقع نہیں ہو سکتی۔

شورش صاحب برنی۔ عبدالقدیر نام۔ بلند شہر کے ایک قدیم شریف خاندان کے فرد ہیں، حلیم متواضع منکسر المزاج اور مرنجاں مرنج نہ انہیں کلام سنانے کا شوق ہے نہ تنقیص کرنے کا، شعرا کے روایتی عیوب سے محفوظ ہیں، بلند شہر خاص کے شعرا کے امام ہیں اور ضلع کے اساتذۂ اربعہ میں شمار ہے، زندگی کی چالیس بہاریں اور بس خزائیں دیکھ چکے ہیں۔ تاہم ان کا گلستان سخن سبز و پر رونق بہار ہے، اشعار کاوش سے کہتے ہیں، غزل میں درد ہے، اور نظموں میں فکر، زندگی عسرت مگر قناعت میں گزر رہی ہے، کچہری میں کام کر رہے ہیں، بصارت کو زوال ہے اور بصیرت کو فروغ، چھریرا بدن ہے کشیدہ قامت ہیں اور داڑھی رکھتے ہیں، ان کی تشبیہ گرد میں تلاش کیجئے۔

متین الحق صاحب۔ کیفی۔ نوجوان شاعر ہیں جن کی شہرت ضلع کے علاوہ صوبہ سے تجاوز کر چکی ہے، مشاہیر شعرا میں شمار ہے، جگر کے ہم وطن ہیں۔ ایک عرصہ سے بلند شہر میں توطن اختیار کر لیا ہے، اور اب کچھ مدت سے اوقات کو دلّی اور بلند شہر کے درمیان بانٹ دیا ہے، غزلیں، نظمیں، افسانے، ادبی تنقیدیں اور فلمی مضامین، ان کا معجز بیاں قلم کہیں بند نہیں، تغزل میں تصوف کو خوب سمویا ہے، وضع قطع شرعی ہے، چہرے پر ذہانت کے آثار ہیں، ترنم سے پڑھتے ہیں اور خوب پڑھتے ہیں۔

صمصام مرزا صاحب فیروز۔ عجب باغ و بہار آدمی ہیں، ان سے جو حرکت سرزد ہوتی ہے، جو لفظ ادا ہوتا ہے اس پر انفرادیت کی مہر لگتی ہے، بڑھاپے کی عام بیماری بلیڈ پریشر نے جسم کو نڈھال کر رکھا ہے، مگر ان کی طبع جواں ملکۂ شاعری کی طرح امتداد ایام سے فروغ پا رہی ہے، لوہارو کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ایک عرصہ سے اس خاندان کی ایک شاخ دلّی میں سکونت پذیر ہو گئی ہے، صمصام مرزا نواب سراج الدین خان سائل مرحوم کے بھتیجے ہیں، تیس سال پنجاب پولیس میں ملازمت کی، پھر کوہستانی ریاست "ٹکیت" میں کپتان پولیس ہو گئے، اس کے بعد بلند شہر میں سکونت اختیار کی، اور حصاری ہاؤس میں شعر و سخن کی محفلیں منعقد کیں، جن کی صدا بلند شہر کے اس پر فضا گوشہ میں آج تک گونج رہی ہے، غالباً یہی ان کا حصہ ہے اور ایسے حرکات و سکنات سے بھی تقویت ملتی ہے، روش عامہ اور رائے عامہ سے غالب مرحوم بھی اس قدر مجتنب نہ پائے گئے جتنے گریزاں یہ ہیں، جسم اور خد و خال گواہی دے رہے ہیں کہ جوانی میں بہت وجیہ ہوں گے، رنگ صاف تھا شغلی اور چہرہ ذہین اور شرعی داڑھی رکھتے تھے تو سراپا ناز تھا

معلوم ہوتے تھے، اب ڈاڑھی کی کمی اور خضاب کے اضافہ نے عمر میں بظاہر بیس سال کی تخفیف کر دی ہے، پڑھنے کا انداز بھی بالکل منفرد ہے، اپنی پُرشکوہ آواز اور مستعلیق طرزِ غزلخوانی سے عجب سماں باندھ دیتے ہیں، غزلوں کا انداز اکثر سیاسیانہ ہے، صمصام صاحب کی ذکاوت اور صلاحیتوں کو غیر معتدل انفرادیت نے ٹھیس پہنچائی ہے، بلند شہر سے ہجرت کر گئے ہیں اور "اسولن" میں مقیم ہیں۔

عطا محمد صاحب شعلہ۔ اُردو میں جدید نصابی تعلیم کے منتہی ہیں، اس وقت بلند شہر اور دلّی کے درمیان یعنی غازی آباد میں نائب تحصیلدار ہیں۔ یہی ضلع ان کا وطن ہے، ستھرا مذاق شعر و سخن رکھتے ہیں، جدیدیت سے گھبراتے نہیں، نہ تغزل سے ابا کرتے ہیں، ان کی غزلوں میں فکر، ندرت اور تنوع ہے، اشعار میں نوکِ نشتر کی سی ہے، نقد و نظر میں دخل ہے اور شاعری کو فن کی حیثیت سے بھی جانتے ہیں۔

شجاع احمد صاحب زیبا تخلص کرتے ہیں، اُردو میں ریسرچ کر رہے ہیں، قانون اور اُردو دونوں میں علیگڑھ سے امتیازی نمبروں کے ساتھ کامیاب ہوئے، شعلہ کی طرح زیبا کے یہاں بھی قدیم و جدید کا امتزاج ہے، ان کے تخلص پر اعتراض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اس کو اس روحِ معنی سے منسوب سمجھئے، جو ان کی غزلوں اور نظموں میں جلوہ آرا ہے، اور جس کی جھلکیاں استعارات کے پردوں میں نظر آتی ہیں، قد میانہ ہے اور رنگ سانولا، مصحفی کے ہم وطن ہیں، ذوقِ شعری پر مطالعہ اور تنقید نے صیقل کی ہے۔

ریاض صاحب کی یک رنگی اسی سے آشکارا ہے، کہ جو ان کا نام تھا وہی تخلص رکھا ہے، وضعدار بزرگ ہیں۔ عمر کوئی پینتالیس سال کی ہوگی، رنگ سانولا ہے اور قد میانہ، علیگڑھ سے ایم۔اے کیا ہے، اور گوالیار میں درس و تدریس میں مشغول ہیں، وطن جیور ہے جو خورجہ کی تحصیل کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اور جہاں سے پنجاب صرف تین میل رہ جاتا ہے۔ ریاض صاحب نوح کے شاگرد اور متبع ہیں اور ان کے رنگ میں بہت اچھا کہتے ہیں، غزلوں میں روزمرہ کا لطف ہے اور معاملہ بندی کی چاشنی اور ترنم کا جادو، طویل بحروں کو اکثر صرف کرتے ہیں۔

سید حامد صاحب حامد۔ بلند شہر میں ڈھائی سال سے بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں، مراد آباد وطن ہے اور فیض آباد مولد۔ قد میانہ رنگ صاف چھریرا خورد جسم، پائے نگاہ میں سیاہ کھپال لگاتے ہیں، تعلیم چھوڑے ہوئے اور ملازمت شروع کئے ہوئے تقریباً چار سال ہو گئے، لیکن ہنوز طالب علم لگتے ہیں، اور طفلِ مکتب ہیں، تھوڑی سی فارسی پڑھ لی، اور خود کو اُردو داں سمجھنے لگے، انگریزی میں ایم۔اے کر لیا۔ اور تنقید میں دخل دینے لگے، عروض سے بے بہرہ ہیں اور شاعری کرتے ہیں، گویا شاعری محض ایک ذہنی عیاشی ہے، کہ دفتر سے فرصت ملی تو متوجہ ہو گئے، اس فن میں پاپڑ بیلنے کی نہ صلاحیت ہے نہ فرصت، تاہم ذہنی ہٹ دھرمی دیکھئے، کہ خود کو شاعر (کہتے نہیں مگر) سمجھتے ہیں، کلام میں اغلاط و اسقام کی افراط ہے، لہو و لعب میں گرفتار ہیں، لہو شاعری اور لعب کھیل کود، دفتر، ملاقاتوں، گھر کے انتظام اور نیند سے اگر کچھ وقت بچ رہتا ہے تو وہ انہی دونوں کی یعنی شاعری اور بالی کی نذر ہوتا ہے۔ لیکن سمجھتے اب بھی یہی ہیں کہ ادب کے طالب علم ہیں، مشاعرے اور ٹورنامنٹ برپا کرنے کا سودا سر میں سمایا ہوا ہے، اور ضد یہ ہے کہ دونوں آل انڈیا ہوں، گھر بھر میں سب سے چھوٹے ہیں اس لئے وقت کے تقدم کی چاپ کو فراموش کر رہے ہیں، اس گلدستہ میں خار و خس کی تلاش ہو تو حامد کے دو قطعات، ایک قصیدہ اور ایک نظم کی طرف توجہ کیجئے اس نظم کو سنانے کی تو ہمت ہوتی نہیں اور اگر کبھی

سُنائی بھی تو بیباک بند خذف کر کے لیکن اشاعت میں کوئی تکلّف نہ ہوا۔ یہ ہے اصلیت اس حیا کی جس کا انھیں شوق ہے کہ چرچا ہو۔ یہ کہیں گے کہ یہ موضوعی اور ہنگامی چیز ہے "انتظار" کے اختتام سے پہلے ہی چھپ جائے تو اچھا ہو قصیدہ بھی شیطان کی آنت ہے، آزادطبع اور غیور بنتے ہیں تو قصیدہ کیوں لکھا، یہ جواب میں نثر کی سطر کی طرف توجہ مبذول کرائیں گے، اور دبی ہوئی زبان سے کہیں گے کہ اس میں انھوں نے ڈاکٹر سکسینہ کی ادبی خدمات کو جن کا کوئی منکر نہیں خراج عقیدت عطا کیا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ قصیدہ میں بند کیسے اور یہ اس بلے چوڑے باتوں کا ذکر اور پھر یہ بے حد طول طویل تشبیب کی تو جواب ملیگا کہ پہلے تو قلم سے تو تصویریں کھینچی گئی ہیں اور پھر آخری بند میں ان تمام تصویروں کو شامل کر کے ایک تصویر بنائی گئی ہے، گویا قصیدہ پہلے مصرعہ سے لے کر آخری مصرعہ تک ایک ہی تصویر کی تکمیل ایک ہی تاثر کی تعمیر میں صرف ہوا ہے، جیسے کہ کسی بڑی عمارت کا گنبد۔ سبحان اللہ کیا اجتہاد ہے، اور کیا تاویل، کچھ نہیں یہ سب گمراہ انانیت کے مظاہر ہیں۔

نواب مکرم علیخاں صاحب نہاسو کے رئیس اور بجنور کے جاگیردار ہیں خوش خلق اور نیک طینت وجیہ و خوش باش دریادل اور عالی ظرف دخت رز کے پرستار، تغزل کے لوازمات فراہم رکھتے ہیں، غزل خوب کہتے ہیں، نظم و نسق کے بجائے نظم و غزل سے وابستگی ہے، تاہم جے پور میں بیشتر اور نہاسو میں کمتر گزرتے ہیں جہاں جگہ پر شعر و ادب کی سرپرستی کرتے ہیں

سید قاسم حسین صاحب تبسم۔ راجہ سید اکبر علیخاں صاحب رئیس بسنارا اول کے خلف الرشید ہیں، توجہ تمامتر غزل پر ہے چند قصائد بھی کہے ہیں، غزلوں میں جذبات کی فراوانی ظاہر ہے، تعلیم کی آبیاری ہوتی تو اور گل کھلاتے، خوش باش و خوش فکر ہیں۔

فیض جھنجانوی۔ نوجوان شاعر ہیں، سانولا رنگ، قدرے کشیدہ قامت، چھریرا بدن، چہرے پر نرمی ہے اور ہلکا سا تبسم، ان کے قطعات جنہیں تشابیہ اور کنایات سلیقہ سے صرف ہوتے ہیں، مشاعروں میں بہت مقبول ہوتے ہیں مبہم کیفیات کی تصویر کشی میں مہارت حاصل ہے، اشعار فکر سے مملو ہیں اور رجعیت سے بہت دور، حالانکہ ان کی غیر شاعرانہ مصروفیات کی وجہ سے آخر الذکر کا اندیشہ ہو سکتا تھا، اوّل الذکر کی امید نہیں دہلی میں ان کے شاگردوں اور معتقدوں کا حلقہ وسیع ہے۔

پنڈت رام کشن مضطر۔ قصبہ کلکوڑ ان کا وطن ہے، عمر کوئی اٹھارہ سال ہوگی، غزل خوب پڑھتے ہیں اور نظم خوب لکھتے ہیں، ترقی کرینگے مگر محنت اور مطالعہ شرط ہے، آداب میں بہت لتعلیق، راشننگ کے محکمہ میں کام کر رہے ہیں۔

حضرت کلیم برنی۔ خاموش اور مرنجان مرنج ہیں، دو کان پر دانت بناتے ہیں اور غزل میں موتی ٹانکتے ہیں غزل پر کیف ہوتی ہے اور والہانہ انداز میں پڑھتے ہیں سن چالیس کے لگ بھگ ہوگا، قدیمانہ سے کچھ کم شاعرانہ ہتھکنڈوں اور خودنمائیوں سے احتراز کرتے ہیں۔

سید سجاد حسین صاحب۔ شیوان قصبہ بلور کے ایک ممتاز خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں، خوش گو و خوش جمال نوجوان ہیں، لباس اور آداب مجلسی کی طرف توجہ ہے لیکن شاعری میں ظاہر شعر سے زیادہ باطن شعر پر توجہ صرف کرتے ہیں، غزل میں نرم و نازک الفاظ سے کام لیتے ہیں۔ غزل میں ان سے بڑی امیدیں ہیں لیکن پڑھنے کے طرز میں اصلاح کی گنجائش ہے۔

بشیر درانی صاحب۔ جہانگیر آباد کے رہنے والے ہیں جو مصطفےٰ خان شیفتہ مرحوم کا وطن تھا، وضع قطع اور اشعار دونوں میں حزن و یاس ہے۔ فکر پر خدمات غالب ہیں۔

طاہر صاحب بریلوی کے یہاں بھی درد و یاس کا وہی عالم ہے محاورات کو برمحل صرف کرتے ہیں۔
رضوی صاحب خیرآبادی مثال غزل کو برقرار رکھتے ہیں الفاظ اور فقروں کی تکرار سے عجب حسن پیدا کرتے ہیں، غزل میں لطیف معاملہ بندی ہے اور جذبات میں حزن و یاس کی جگہ غیرت و ہمت۔

شمیم صاحب سہروردی۔ ان کے یہاں بیک وقت حزن بھی ہے اور عزم بھی غزل میں ہمت کا دامن کئی جگہ چاک ہے۔
رحمت اللہ خاں صاحب رحمت، بلند شہر میں امانت کے منصب پر فائز ہیں عمر کوئی پچاس سال کے قریب ہوگی، وضع قطع اور اوقات وادراد میں متشرع ہیں ڈاڑھی میں سرخ خضاب لگاتے ہیں، زہد ہے مگر خشونت نہیں، خوش مزاج اور منکسر مزاج بزرگ ہیں، غزلیں عموماً طویل ہوتی ہیں، اشعار میں اکثر معاملہ بندی ملے گی، زبان پر توجہ ہے، سادہ زبان اور روزمرہ کا التزام رکھتے ہیں، تاریخ گوئی میں یہ مہارت ہے کہ بات بات میں تاریخ نکال لیتے ہیں۔

انور سہرانی۔ ہمارے یہاں صرف ایکبار تشریف لائے، مشق اچھی ہے، اور ردیف کے نئے نئے پہلو ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔
سرور جمیل صاحب بھی ایک ہی بار آکر رہ گئے، اس غزل کے مطلع اور مقطع سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فکر گہری اور نظر دوررس ہے، اور یہ بڑی بات ہے مقطع دوہرائے دیتا ہوں۔

شریک کارواں رہنا مناسب ہے مگر سرور
اسی حد تک کہ ذوق جستجو محکم نہیں ہوتا

بیاسی برنی۔ رام کشن مضطر کے ہم عمر ہوں گے ہونہار شاعر ہیں، ان کا نام فصیح ہے اور کلام بلیغ، ایک شعر سنئے۔

غم مری تاریک دنیا کو منور کر گیا
برق چمکی آشیاں میں روشنی ہونے لگی

اقبال الدین احمد صاحب نشیدؔ، قیامت نوجوان ہیں۔ فارسی میں ایم۔ اے کر چکے ہیں۔ اسوقت انوپ شہر میں نائب تحصیلدار ہیں تحصیل کے کنارے قریب ہی گنگا بہتی ہے جس پر کہ انھوں نے نظم لکھی ہے، شکوہ الفاظ کا برمحل التزام رکھتے ہیں، مزاج مفکرانہ پایا ہے۔

تیری حکمت سے ہوا کوہ ہمالہ سربلند
تیری برکت سے ہوئے دشت بیاباں لہلہا

حبیب اللہ صاحب حبیب۔ اکابر شعرائے بلند شہر میں گنے جاتے ہیں، کاروبار اور شوق موسیقی سے دوگونہ رابطہ ہے، اس کی جھلک ان کی مترنم غزلوں میں ملتی ہے، صاحب دیوان ہیں، ترنم کے ساتھ غزل پڑھ کر پڑھتے ہیں، کہنہ مشق شاعر ہیں، عمر کوئی پینتالیس سال ہوگی۔

خضر صاحب برنی۔ بلند شہر کے نوجوان شعراء میں سرفہرست ہیں، ادبی خدمات کیلئے ہر وقت کمربستہ رہتے ہیں، اس گلدستہ کی تشکیل میں گلچیں کا نازک کام انھوں نے ہی انجام دیا۔ اسی سلسلہ میں ساقی رنگ و دوسرا بڑی۔
حنیف صاحب۔ صابر صاحب کے صاحبزادے ہیں، اور اسی رنگ میں غزل کہتے ہیں۔

منشی ولی محمد خان ذکی۔ حسن اتفاق سے یہ ولی بھی اورنگ آبادی ہیں۔ اور نگ آباد صدر سے نو میل کے فاصلہ پر (بلند شہر۔ گڑھ کی سڑک پر) ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ موصوف شاید ہمارے شاعروں میں سب سے زیادہ سن رسیدہ ہیں۔ کہنہ مشق اور پرگو ہیں، مگر نا قدردانی ابنائے زمانہ کے شاکی۔
منظر سکندرآبادی۔ قیصر صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ لطف زباں کا التزام رکھنے میں تصوف میں بھی

اشعار کہتے ہیں، لیکن ان میں رسمیت جھلکتی ہے، عاشقانہ اشعار پُر تاثیر ہیں۔

سید کفیل احمد صاحب برنی۔ کفیل صاحب وکالت کرتے ہیں۔ شعر و سخن کا پاکیزہ مذاق رکھتے ہیں۔ ہزارہا منتخب اشعار نوک زبان ہیں جن کا گفتگو میں برمحل استعمال ہوتا رہتا ہے۔ اس نواح میں ان کی سخن سنجی کا چرچا ہے، شعر میں مضمون اور رعایتوں کو پسند کرتے ہیں۔ اپنا کلام سنانے سے حذر رہتا ہے۔

حکم چند صاحب نظر، اُردو لکھ پڑھ نہیں سکتے لیکن اردو میں غزلیں خوب کہتے ہیں، بیاض ناگری رسم الخط میں رکھتے ہیں، غزلیں عموماً طویل ہوتی ہیں، زبان میں سلاست اور شیرینی بندش میں چستی ہے، پڑھتے بھی خوب ہیں نوجوان شاعر ہیں۔

رنگیشور دیال صاحب۔ نائٹ وکیل سرکار ہیں، اور صوفی تخلص کرتے ہیں "جلال صوفی بامدعی" کی یاد ذہن میں تازہ ہو گئی۔ تصوف میں ڈوب کر کہتے ہیں، سادگی کے ساتھ تحیّر کی جھلکیاں ملتی ہیں غزلیں طویل اور منصوفانہ ہوتی ہیں۔

اختر صاحب دہلوی نے نمائش کے مشاعرہ کی اردو طرح میں فارسی غزل لکھ کر دلکش تنوع پیدا کیا ہے اور نادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔

سید ذوالفقار علی صاحب برق۔ حضرت تشرخ کے ہم پیشہ، ہم وضع، ہم مشرب ہیں۔ عاشقانہ رنگ میں خوب کہتے ہیں، ترنم سے پڑھتے ہیں۔ اشعار میں ابتہاج ہے۔ حزن و افسردگی نہیں ہے، عمر کوئی پچپن سال کے قریب ہوگی، قد میانہ سے کچھ کم ہے، مشاعرہ میں آجاتے ہیں مگر صلح کل طبیعت ہے، جھگڑوں سے دور رہتے ہیں۔

رام سرن صاحب وِیاس سکندر آبادی۔ نوجوان ہیں۔ وضع قطع سے بھی نیک بخت لگتے ہیں۔ اور ایک وضع کے پابند ہیں۔ عشق حقیقی کی لو لگی ہوئی ہے۔ جو دل و دماغ پر چھا گئی ہے، تزکیہ نفس پر زور دیتے ہیں اور شاعری کو بھی عبادت کا جزو سمجھتے ہیں، سکندر آباد کے میونسپل بورڈ میں ملازم ہیں۔

سہیل خورجوی۔ ہونہار شاعر تھے، دلی کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ ہمارے یہاں مہمان کی طرح آئے، اور دُنیا سے بھی برگشتہ مہمان کی طرح قبل از وقت چلے گئے، خدا ان کی روح کو وہ سکون عطا کرے جس سے یہ دنیا میں محروم رہے، ان کا کلام درد کا مرقع ہے اور کسی گہرے داغ کا پتہ دیتا ہے۔

کوثر برنی صاحب۔ غیور انسان ہیں، تنگدستی میں توکل کے ساتھ بسر کر رہے ہیں۔ سکندر آباد تحصیل کے عملہ میں تعلیمات پر مامور ہیں۔ کاوش سے کہتے ہیں، پُر گو ہیں۔

صابر صاحب کا اصلی وطن امرلور ہے جو تحصیل انوپ شہر کا ایک موضع ہے، اب ایک عرصہ سے دلی میں بود و باش اختیار کر لی ہے۔ آل انڈیا شاعروں سے جو وقت بچتا ہے دلی میں گزرتا ہے، میانہ قد، اکہرا اور کسرتی جسم، عمر ۵۵ سال کی ہوگی، پینتیس ۳۵ سال کے معلوم ہوتے ہیں۔ غزلیں خدمات کی حرارت سے دمک رہی ہیں۔ زود گو اور پُرگو ہیں خوب پڑھتے ہیں، مخلص دوست اور وضعدار انسان ہیں۔ اطوار اور شاعری دونوں میں تغیرات کو راہ نہیں دیتے۔ نہ جدید رجحانات کو۔

آغا سرخوش صاحب قزلباش۔ آغا شاعر مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ دلی کی زبان گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور اس کا تحفظ ورثہ میں ملا ہے۔ خاندانی وجاہت کے حامل ہیں۔ بڑی بڑی خمار آلود آنکھیں، پیشانی کشیدہ

اور شیریں زبان۔ دلوں کو موہ لینے کیلئے یہ اجتماع کافی ہے، پرانے رنگ میں غزل کہتے ہیں لیکن نئے طرز کا خمیر ملتا ہے۔ جدید رجحانات چھپ چھپا کر داخل ہو گئے ہیں۔ اس کے ذمہ دار ان کی صحافتی مصروفیات اور وسیع تعلقات ہیں۔ ماہنامہ "چمنستان" نکال رہے ہیں۔ ترنم سے پڑھتے ہیں۔ عمر پینتیس کے لگ بھگ ہوگی۔

محمد اسحٰق خاں صاحب۔ شاہجہان پور کے پٹھان ہونے کے باوجود بسمل تخلص کرتے ہیں۔ نوجوان آدمی ہیں۔ گزشتہ چند سال سے ڈاڑھی چھوڑ دی ہے، مشاعرہ میں ان کی آواز کا طوطی بولتا ہے۔ اور اس شان سے کہ نقارخانہ کی آواز نہ سنائی دے۔ پٹھانوں کی طرح سادہ لوح ہیں۔ نظمیں پُر زور اور غزلیں پُر درد ہوتی ہیں۔

سید حسن صاحب برنی سخن جدا آری کے دکلا میں سر فہرست ہیں۔ جس شعبہ کی طرف توجہ کی امتیاز حاصل کیا۔ مقرر، سیاسی۔ مبصر۔ انشا پرداز۔ ماہر لسانیات، ادب کے طالب علم اور آرٹ کے پرستار۔ تبدیل ذائقہ کے لئے شعر کہتے ہیں اور اچھا کہتے۔ لیکن ان کا خاص مضمون تاریخ ہے۔ "البیرونی" پر ان کی کتاب آخری لفظ ہے اور جامعیت اور تحقیق کے اعتبار سے۔ ان کی لائبریری میں مطبوعات اور مخطوطات کا اچھا ذخیرہ ہے۔ عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان ہوگی۔ کشیدہ قامت۔ گندمی رنگ۔ اور لانبا ذہین چہرہ۔ یہ ہے اختصار انکی طویل اور جامع شخصیت کا

ابن حسن صاحب برنی۔ سید حسن صاحب برنی کے صاحبزادہ ہیں، رنگ صاف، قامت کشیدہ اور چہرہ ذہین، خوش پوش اور خوش اندام ہیں۔ گفتگو کے آرٹ کو جانتے ہیں اور بڑے سلیقہ سے برتتے ہیں، علمی ورثہ طبعی ذوق، اور وسیع مطالعہ نے ادبیات میں اچھی نظر پیدا کر دی ہے، ادب کے متعلق ان سے گفتگو کرنا اعلیٰ درجہ کی ذہنی تفریح ہے، افسانے بہت اچھے لکھتے ہیں۔ اس مجموعہ میں ان کی ایک منثور نظم شامل ہے، یہ مؤثر اشاریت کی ایک اچھی مثال ہے۔ خوشحالی اور قحط ان دو لفظوں تعا دیر میں فنکارانہ انداز پر غور کیجئے، دیہات کی زندگی کا یہ منظر کتنا دلکش ہے۔

"سرسبز بھرے کھیتوں میں یوں آواز ملا کر گاتے تھے جیون ساتھی
ننھے ننھے پودے ان کے گیتوں سے ہی تو پروان چڑھیں گے"

اس کے بعد فاقہ زدہ مخلوق کی کلکتہ کی طرف روانگی اور
"فلک بوس عمارتیں لوٹا کر منھ پہ ماریں گی آہیں۔ التجائیں" التجائیں

اور

"جس دل میں پریت کی آگ تھی وہ دل سرد ہوا وہ دل مر گیا
اجڑی بستی میں ٹمٹماتا ہے بس اب بھوک کا دیا
تحقیر آمیز اور غیرت انگیز طنز کی دھار جا بجا ملتی ہے سب نے پہلے خود عنوان تھیں
سر ٹکراتے نہ جانے تھے خستہ و بوسیدہ دیواروں سے

حشرات الارض کہتا ہوں انسان کہہ نہیں سکتا
انسان ہوتے تو بڑھتے سٹالن کو قصرِ عشرت کے نشاں
(دیا چیل اور کوّے اور گدّھ)
"نچھا کر لے جائیں گے شہیدوں کا گوشت پوست اپنے دامن میں اور ہڈیوں کو بھی منتشر کر دیں گے
یوں آرزو رہ جائے گی انسان ہے لے بضاعتی کی بیچارگی کی"
اور
منزل ہے وہی جہاں زندگی گھٹنے ٹیک دے۔

یا "قلم کی آخری اور کارگر ترین جنبش" وہ بالائے فلک "قابیل کا تبسم" یہ محض روایتی اشتراکی جذبات نہیں ہیں بلکہ بنگال کے قحط پر جہاں بے حس منافع خوروں کی بدولت جانیں ارزاں ہوتی گئیں اور غلہ گراں ہوتا گیا اور جہاں مخلوق نے ایک نکتہ کے بغیر کسی جدوجہد کے جان دیدی۔ ایک دردمند اور غیور انسان کا آزادانہ ردِ عمل ہے۔

اس نظم کی تاثیر میں اس کے آفاقی پس منظر کا اہم حصہ ہے اور اس پس منظر کی تعمیر میں ہندی اور عربی تلمیحات سے کامیاب استمداد کی گئی ہے۔

جمیل الدین صاحب عالی۔ اسم بامسمیٰ ہیں۔ یہ دیکھنا باقی ہے کہ کلام کو تخلص سے کیا تعلق ہے۔ عمر بس بائیس کے لگ بھگ ہوگی۔ در اطوار سے بھی کمسن۔ قامت قدرے کشیدہ، چھریرا جسم اور صاف رنگ، شوخی اور ذہانت کو جاگیر سمجھتے ہیں۔ اور بجا طور پر غزل میں اپنی راہ نئی نکالی ہے۔ جنون اور خرد کے درمیان ایک وارفتگی کی کیفیت۔ یہ ہے ان کی غزلوں کا ماحول، خیالات اور احساسات کے لطائف کو غزل کی زبان میں بیان کرتے ہیں۔ ندرت ان کا شیوہ ہے، لیکن اسے غذا نہ ملی تو یہی ندرت فرسودہ ہو جائے گی۔ فی الحال فکر انگیز اشعار کہتے ہیں۔ حال ہی میں دوہوں کی طرف توجہ کی ہے۔ دلی یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔ اور حلقہ شعرا میں متعارف۔ سابق نواب لوہارو۔ نواب سر امین الدین خاں صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ ایک عرصہ سے دلی مسکن ہے۔ اور "اضلاع" کے باشندوں کی زبان پر منزہ زن ہیں۔

قوس قزح کی تشکیل میں کوشش یہ رہی ہے کہ تنوع کا لحاظ رکھا جائے، اسی لئے غزلوں کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن بھی شامل ہیں۔ کلاسیکل شاعری کے علاوہ جدید شاعری کے کچھ نمونے بھی پیش کر دئے گئے ہیں۔ کہنے والے ہر طبقہ اور ہر قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح کاروبار کے اعتبار سے بھی ان کے مشاغل باہم دگر بہت مختلف ہیں۔ ... سائنسدان۔ کاتب۔ کلکٹر۔ مجسٹریٹ۔ ڈاکٹر۔ زمیندار۔ محرر۔ وکیل۔ کلرک۔ نواب۔ ایڈیٹر۔ جرنلسٹ۔ استاد۔ طالب علم۔ نقاد۔ چپراسی۔ غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی کے نمائندے موجود ہیں۔ اسی طرح ان شعرا کے ... میں بھی وسیع تفاوت پائیے گا۔ یہی عالم مشق، مہارتِ فن، مطالعہ

اور نظریات میں ہیں۔ زبان کے اعتبار سے دو غزلیں فارسی میں ہیں۔
طبع زاد افکار کے علاوہ تراجم بھی شامل کئے گئے ہیں۔ روایتی غزل اور "حشرات الارض" کے درمیان ہماری شاعری کے تمام رجحانات آجاتے ہیں۔ قوس قزح سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے اضلاع میں بھی شاعری کا ذوق ابھر رہا ہے۔ ضرورت صرف ایک ایسے مرکزی ادارہ کی ہے جو صحیح رہنمائی کا کام انجام دے۔ جوہر قابل کو منظر عام پر لائے اور درہائے ناسفتہ کو ایک لڑی میں پرو دے۔

قوس قزح کی تدوین میں مجھے خضر صاحب برنی سے بہت مدد ملی۔ ان کے علاوہ تمام شعرائے کرام کا ممنون ہوں جنہوں نے از راہ کرم باہر سے تشریف لا کر ہماری محفلوں کو نوازا اور ان تمام مقامی سخن پروروں کا جن کی بدولت یہ محفلیں منعقد ہو سکیں ممنون ہوں۔ کتابت کی غلطیوں کے لئے معذرت خواہ اور دیگر اسقام کے لئے چشم پوشی کا امیدوار۔ میں سابق کلکٹر بلند شہر مورخ ادب جناب ڈاکٹر رام بابو صاحب "سکسینہ" وزیر اعظم ریاست ٹونک کی علم پروری اور موجودہ کلکٹر بلند شہر جناب رامیشور پرشاد صاحب بھٹناگر آئی۔ سی۔ ایس کی ہمت افزائی اور خواجہ سعید الدین احمد صاحب سکریٹری نمائش نمائش کمیٹی کے تعاون کا بھی ممنون ہوں جس کی بدولت قوس قزح افق پر نمودار ہوئی۔ نواب بابر علی خاں صاحب کرم اور رائے صاحب جگت نرائن بھیری (جن کی نظمیں دیر شامل ہیں) کی علم دوستی کا تذکرہ نہ کرنا بھی ایک گناہ ہوگا۔ اصحاب موصوف سے مقامی ارباب علم و ادب کو بہت توقعات ہیں حضرت بدر جیلانی نے از راہ کرم ادارہ کی معاونت اور رہنمائی فرمائی۔

قوس قزح دراصل مقدمہ ہے اس بڑے مجموعہ کا جو زیر تدوین ہے اور جس میں شیفتہ کے عصر سے اب تک کے شعرائے بلند شہر کے کلام کا انتخاب اور تنقید پیش کی جائے گی۔ وہ اس سلسلہ کا دوسرا حصہ ہوگا۔

"سید حامد"

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۲	یاد	یار	۳۶	۱۱	مزاج	مزاج
۴	۳	پونچھتے	پوچھتے	۳۸	۱۰	حیات	نشان
۱۹	۲	دوائیں	دعائیں	۳۸	۱۰	دیدہے	دیدے
۲۸	۵	مشکوئے	شکبوئے	۳۸	۱۱	دیدہے	دیدے
۲۸	۹	بخیرو	بجزو	۴۱	۸	اشک	رشک
۳۱	۴	کوئی	کیا	۵۰	۱۴	دست	دشت
۳۲	۲	عقد کیساتھ	،	۵۷	۱۰	درفشانی	دُرافشانی
۳۴	۲	کسرۂ اضافت	×	۵۸	۱۰	ازماپرس	ازمامپرس
۳۴	۴	ارتباط کے ساتھ		۶۵	۱۰	یار	تار؟
		کسرۂ اضافت	×	۶۵	۱۰	یار	تار
۳۵	۳	کا ماسکوس "کہ" سے پہلے	کا ماسکوس "کہ" کے بعد اور "آپ" سے پہلے	۶۶	۴	لطف و سرود	لطفِ سرود
				۶۷	۳	انجن	انجم
۳۵	۱۴	"سرود" کے نیچے		۶۷	۹	کہاں	کناں
		کسرۂ اضافت	×	۶۷	۱۵	انتظار	آشکار
۳۶	۴	بہر	بہر				
۳۶	۸	تبخر	تحیّر				

تعارف

(از علامہ بدر جلالی صاحب)

ہر زبان کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، عموماً ان کا مظاہرہ کسی خاص جزو ترکیبی کے اندر ہوتا ہے، یہ امتیازی خصوصیت کبھی تو زبان کی تعمیری تاریخ میں نمایاں ہوتی ہے اور کبھی اُس کی عمومی ساخت میں، یعنی بعض السنۂ عالم کی خصوصیات ان کی لغت اور قواعد میں ظاہر ہوتی ہیں اور بعض زبانیں اپنی فصاحت اور بلاغت میں ایک خاص طبعی خصوصیت رکھتی ہیں، دُنیا کے اندر انسانی خاندان اور نسلیں ایسی بھی ہیں جو طرز نگارش اور ابجد کی روش میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ مثلاً چینی اور ملائی زبانیں اوپر سے نیچے کی طرف لکھی جاتی ہیں، آرین زبانیں بائیں طرف سے دائیں یا داہنی طرف کو اور سامی زبانیں داہنی طرف سے بائیں طرف کو، اس طرز نگارش کا سبب بعض اہل نظر کے نزدیک اُن نسلوں کی طبعی نقل و حرکت کی سمت ہے جو انھوں نے تلاش روزگار و آبادانی کیلئے اختیار کی تھی، بہر صورت ان ترکیبی اور تعمیری خصوصیات کے علاوہ اور بھی ایسی خصوصیات ہیں جو زبان کی صوتی کیفیات، لہجے کی سہولت، انداز بیان، کلام کے لوچ اور عام مقبولیت سے تعلق رکھتی ہیں، جہاں تک اُردو زبان کی خصوصیات کا تعلق ہے یہ اپنی نوعیت ساخت کے لحاظ سے ہر اس خصوصیت کی حامل ہے جو اختلاط عامہ سے پیدا ہوتی ہے، اُردو کا زمانہ ہوم دخل ہے جب ترکی، تازی، ایرانی اور ہندوستانی تہذیب اور تمدن کا اتصال ہو چکا تھا اور صدیوں تک رہا، اس کے اندر ہندوستان کی بھاشاؤں کا رس، تازی السنہ کی فصاحت و بلاغت اور عجمی زبانوں کا غنائی لوچ آ چکا تھا، لہجہ کی عمومیت اور قوت کلام کی گیرائی اُن وسعتوں نے پیدا کر دی جو ہزاروں میل سے سمٹ سمٹ کر شمالی مغربی ہندوستان کے متناز رقبوں میں آسودہ ہو چکی تھیں، انیسویں صدی کے شروع میں یورپی زبانوں نے بعض الفاظ کو بھی قبول کر لیا گیا اور آج کے جدید تصورات نے بھی اُردو زبان کی گیرائیوں میں کسی حد تک ضرور اضافہ کیا، ایشیا اور یورپ کے اس لسانی اختلاط نے اُردو (ہندی اور ہندوستانی) کو طبعاً ایسی رعنائی بخشی ہے جو اس دور کشمکش میں جبکہ زبان اور ادب نے بھی سیاسی و ملکی حقوق کی نزاعی صورت اختیار کر لی ہے اپنی گنجائشیں آپ پیدا کرتی چلی جا رہی ہے، اگر اُردو کی موجودہ صحافت اور انشاپردازی تجارتی اور نفع بازی کے انفرادی انداز کی پابند نہ ہوتی تو شاید زبردست علمی اور حکمتی علوم و فنون کا ذخیرہ اس کے دامن میں جمع ہو جاتا، اُردو زبان کی موجودہ کسمپرسی پرورش کے باوجود اس کی ایک خاص خصوصیت ہمہ گیری کے ساتھ کارفرما ہے اور وہ اس کا تغزل ہے اس کی منظوم صورتیں ادب میں منظوم صورتوں کی جمالیاتی کشش ہے جسکے اندر ایران کی صباحت اور ہندوستان کی ملاحت پوری تاثیر کے ساتھ جلوہ فرما رہتی ہے یہ دماغوں میں ولولہ اور دلوں میں تپش پیدا کرتی ہے جذبات میں والہانہ انداز اور شعور کے اندر ایسی قوت وابستگی جو دریائے تحقیق کی تاریک وادیوں کو بھی تابندہ رکھتی ہے اور تپش شعور کی ناآشنا موجوں سے بھی، اُردو کے نغموں میں آب حیات ہے جس کا اثر اور کہانت عروج کا کیف پائیں گے، ہندوستان کے اندر وہ دراوڑی قومیں بھی اُردو کے نغموں میں ایک کشش محسوس کرتی ہیں جن کو مہذب آرین نسل نے صدیوں تک کرشنا کی موجوں کے پیچھے مقید و محبوس رکھا اور مغربی ایشیا کی تہذیب و ثقافت

زبان سے کبھی مانوس نہیں ہوئی، یہی خصوصیت اپنے اندر معلوم اسباب کے ماتحت قبولیت عامہ کا جوہر رکھتی ہے اور آج بھی جبکہ ہندوستان کے بعض برخود غلط مدعی اس کو غیر ملکی یا بدیسی زبان بنانے کی جدوجہد کر رہے ہیں اُردو کے تغزل دلفریب نے دوست اور دشمن سب کے دل میں جگہ پیدا کر لی ہے چنانچہ ہندوستان بھر میں ہندی کویتا کے اندر وہ جوش اور ولولہ نظر نہیں آتا جو اردو کے مشاعروں میں نظر آتا ہے، راقم الحروف نے مدراس اور مرشد آباد کے مشاعروں میں وہ کیفیت قبول و اثر دیکھی جو دہلی اور لکھنؤ میں نظر آتی ہے، اُردو تغزل کی بڑی خصوصیت صلح پسندی اور میل جول کی چھپی ہوئی تمنا ہے، اُردو مشاعروں میں ہندی شعراء اور کویوں کو بھی وہی مقبولیت حاصل ہے جو اُردو سخن سنجوں کو حاصل ہوتی ہے اور اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اردو کا مزاج اس انداز بیان اور موسیقی کو بھی اپنے اندر سمو لینا چاہتا ہے ظاہر ہے کہ ہر زبان کا جمالیاتی جوہر ہر اس حسن کو اپنے اندر جذب کر لینے کی خواہش رکھیگا جو واقعیت کیساتھ حسن ہوگا، بناوٹی یا تکلفی حسن نہیں، اُردو کا مزاج حقیقی حسن کی شناخت کا مل رکھتا ہے، فلمی میک اپ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں چاہے وہ کتنے ہی حسین کیوں نہ ہوں مصنوعی دانتوں اور بازار کی خریدی ہوئی زلفوں سے اسے کوئی انس نہیں پیدا ہوتا، اُردو میں خود ایمان کی اس شاعری نے کبھی فروغ نہیں پایا، جو غیر حسن کو محض زلونہ آرائی سے حسین بنانا چاہتی تھی، آج بھی اگر غور و فکر سے آپ مطالعہ کرینگے تو ہندوستان کے ان شاعروں کو دائمی زندگی کا امین پائینگے جنھوں نے اصل جمال اور حقیقی حسن کی داستان سنائی ہے، آج تمام اہل مذاق اسی پر متفق ہیں کہ اصلیت اور واقعیت کی مصوری ہی اصل شاعری ہے اُردو کے صحیح مزاج کی بلندی کا زمانہ آچکا ہے اور اس کیلئے اب یہ دشوار نہیں کہ وہ ہندوستانی اور خالص ہندوستانی جمال کو اپنے اندر جذب کرے، یہ حقیقت اپنی جگہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اُردو تغزل کیسا ہمہ گیر جوہر اپنے اندر رکھتا ہے، یہ ہمسند بار کی حقیقتیں بھی قبول کرتا ہے اور اپنے زاد لوم کے ہمسایوں کی جمالیاتی جدوجہد میں بھی برابر کا شریک رہتا ہے، یہ خصوصیت دنیا کی اور زبانوں میں کم پائی جاتی ہے، یا تو وہ اسباب نہیں جو اُردو کو میسر ہوئے یا پھر قومی اور ملکی عصبیت نے اس خصوصیت سے بعض انتہائی ترقی پسند زبانوں کو بھی محروم کر دیا ہے ۔

تاب یک جلوہ نیاورد نہ موسیٰ نہ طور ✻ ایں دلے ہست کہ ایں گونہ ہزاراں دیدہ است

اُردو تغزل کے ایک ایسے ہی مظاہرے کی اجمالی روداد ہمارے سامنے ہے یہ مجموعہ ہے ایسے کلاموں کا جو بعض سخن سنجوں نے بلند شہر (یو-پی) میں ہدیۂ عوام کیا تھا، ان مظاہرات مختلفہ میں ہندوستان کے عوام صحیح معنی میں شریک ہوئے ان کے اندر کسی مذہب و تہذیب یا مذہبیت و معاشرت کا امتیاز نہ تھا، مذاق شعر و سخن دیگر جملہ فنون لطیفہ کی طرح اس امتیاز کا بار برداشت نہیں کرتا، خصوصاً اُردو تغزل جو عصبیت اور تنگ نظری سے کوسوں دور ہے، بلند شہر کے ان مظاہرات ادبی و شعری کا پہلا اجتماع فروری ۱۹۴۷ء میں "نمائش" کے موقعہ پر ہوا جس کی صدارت خود کلکٹر صاحب ضلع ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے کی، جو اردو مصنفین کی صف میں بھی نظر آتے ہیں، اس مشاعرہ میں باہر کے بھی شعراء کرام نے شرکت فرمائی تھی، جن میں حضرت بسمل بدایونی، راز مراد آبادی، بسمل شاہجہانپوری وغیرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں اور جنکی نغمہ سرائیاں مدتوں تک اہل ذوق کے کانوں میں گونجتی رہیں، مقامی شعراء میں سے تقریباً ہر فرد نے داد سخن دی یہ اجتماع نمائندہ اور واقعی روح کا آئینہ دار تھا۔ اس مختصر گلدستہ میں جو ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے مطبوعہ غزلوں کے ضروری اقتباسات شامل کئے گئے ہیں جن میں مذاق آزاد کو بھی پیش کیا گیا ہے جو متفکرین ادب نے وقتاً فوقتاً کی جماعت کے انداز سے فرمایا ہے یہ تو اہل نظر و ذوق ہی اندازہ لگا سکیں گے کہ اس گلدستہ کے گلہائے رنگا رنگ کا معیار و اثر کیا ہے، ہم تو صرف شاعر کے رنگ و بو کو پیش کر رہے ہیں، لیکن راقم الحروف پر جو نقد و نظر کی غیر متوقع ذمہ داری عاید کی گئی ہے

الامر فوق الادب سمجھ کر اٹھا لینے کے لئے مجبور ہوں، اگرچہ استعداد واقعی حیرت زدہ بھی اور ضعیف الاحساس بھی، ظاہر ہے کہ اردو میں فن تنقید ابھی ابجد کی انتہا پر بھی نہیں پہونچا ہے، ہماری ذہنیتیں اور تربیتیں بھی اس فن کی حقیقتوں سے دور ہیں اور ہم کو یہ احساس بھی غالباً نہیں ہے کہ تنقید و تبصرہ کرنیوالے کو زیادہ وسیع النظر اور وسیع العلم ہونے کی ضرورت ہے، اور جس پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا ہے وہ اس بارے سے مکلف نہیں، مجھ جیسا بے بضاعت اور بے مایہ ناقد و مبصر ہونیکے مدعی کس طرح بن سکتا ہے، نہ وہ نظر بالغ رکھتا ہے، اور نہ وہ علم وسیع جو اس فرض کی ادائگی کیلئے ضروری ہے، اس لئے جو کچھ باقتثال امر میں عرض کروں گا وہ تنقید و تبصرہ نہ ہوگا بلکہ ذاتی محسوسات و مدرکات کا ایک ناقص خاکہ، ؎

من آن مورم کہ از پا ہا بمالند * نہ زنبورم کہ از نیشم بنالند
کجا خود شکر ایں نعمت گذارم * کہ زور مردم آزاری ندارم

ہماری جاریہ روش تنقید کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم کہنے والوں کو دیکھتے ہیں جو کچھ اس نے کہا ہے وہ نہیں دیکھتے اس لئے ہماری تنقید میں کلام سے پہلے بجائے کلیم آزاری پر محدود ہو جاتی ہیں، اس گلدستہ میں نظر میں کلیم سے زیادہ اس فقیر کو لاعلمی ہے اس لئے میرے سامنے محض کلام ہے اور اس کلام کے بعد ارتئے ہوئے مختصر احساسات جو کچھ پیش کر رہا ہوں۔

محسوسات اضطراری

سب سے پہلے علامہ بدر جلالی کا کلام نظر آتا ہے جس کا عنوان "جذبات تصور" ہے، چونکہ راقم الحروف ان صاحب کو ظاہری و باطنی دونوں رنگ میں جانتا ہے اس لئے اس جملہ اول پر دامن کشاں گذر جانا ہی اچھا ہے، البتہ میری سمجھ میں عنوان کی معنویت نہیں آئی، دوسری تحریر دلپذیر حضرت قابل گلاؤٹھوی سے موسوم ہے، دو قطعات منقبت اور بخشش کیلئے اچھا لباس قطع کیا ہے، بندگی کی نیکی و بدی دونوں اعتباری ہیں، لغزش محبت پہ بخشنے والے کا نام یاد آنا اضافی شعور کا رد عمل ہے، دوسرا قطعہ بھی اسی اعتباریت کا ایک محدود شعور ہے جس کے اندر ندرت نہیں اضافی شعور کے اظہار میں اگر تازگی نہیں تو تقلید ہی تقلید ہے، اس کے بعد ماہر القادری صاحب ہیں، غالباً قادری کا تتمہ سلسلۂ قادریہ (جو حضرت غوث پاک رحمۃ سے چلتا ہے) ہے نہ کہ الف و لام "کیفی" کا استعمال اور ماہر کے ساتھ قادریت (قدرت) کی کھلی ہوئی تجدید ہے، ماہر صاحب کا کلام اپنی پہلی چھوٹ میں مصنوعی موتی معلوم ہوتا ہے جو اصلی سے زیادہ آبدار اور سڈول ہے، دوسرے نغمہ میں دیوانے کو فرزانہ ثابت کرنے کی ادا اچھی ہے، جنوں کے جھٹکے حریفانہ ایک، فرزانہ ہی کر سکتا ہے، تیسرے نغمہ میں فروغ کا تخلص لینا شاعرانہ ثبوت کو چاہتا ہے، کنور مہندر سنگھ بیدی المتخلص بہ سحر کی مہندر باکیاں ہیں اصول کے ماتحت ہیں کہ کہنہ مشقی دزد حنا کی طرح نہیں کہیں رنگ باش ہے، حضرت ناشف خورجوی جوش پرواز کا ثبوت پیش کرتے ہیں، مگر پرواز کیلئے محل و فضا کا کوئی تعین نہیں، آزاد پرواز ہے اور فضا کی تشریح سے بے نیاز، ترنم یاد میں اثر تک پہونچے تو گویائی کو سحر ممنوعہ پایا، اور جب گویائی پائی تو ترنم یاد سے نکالے گئے ۔۔۔

لوگ کہتے ہیں کہ باتیں تو تصور ہی میں ہوا کرتی ہیں، شکووں کی جو داستان تصور میں محبوب کو سنائی جاتی ہے وہ آمنے سامنے ممکن ہی نہیں، "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا" حضرت ساغر مراد آبادی لے اپنے تازہ تازہ رشحات فکر سے گلدستہ کو سراپا بہار بنا دیا ہے، گر اللہ لئے بہار ہے، غنچہ دہنی کا جمال سلمہ، تشنگی کلام کہاں، زبان درازی سوسن کو بھی بہار کی کچھ تختہ کر دینی چاہئیں، ہاں پردہ اٹھے چھٹے پات، بچپنہ مستقبل کی غمازی ضرور کر رہی ہیں کافر

زمانے کی یاد اور احساس دونوں امید افزا ہیں اسکیٹو، لیکن مہربان اور نامہربان کا لبادہ شائستہ اندام نہیں، یہی شوخی طفلانہ ہے، حضرت تکیل بدایونی یوں تو نسبت بدایوں، ذوق اور کثرت ذوق کے لحاظ سے ہمیشہ تکمیل و جمیل رہی ہے، ظاہر ہے کہ شکل و جمال کیلئے کسی شاعرانہ ثبوت کی ضرورت نہیں، یہ مشاہدہ عینی ہے، غالباً اسی نسبت اسی کے سبب "آنکھوں سے دور صبح کے نالے چلے گئے" کے لئے کسی سبب اور ثبوت کی ضرورت نہیں، ورنہ آنکھوں سے تو صبح ہی کے نہیں، شام کے نالے بھی دور ہوگئے ہیں، رہا نظروں سے دور ہونا یا ہوجانا البتہ قرین ثبوت تھا، یاد کو شیشہ یا آبگینہ ایک تکمیل و جمیل ہاتھ تو بنا سکتا ہے لیکن کوئی عقیل و فہیم یا کوئی دستکار نہیں بنا سکتا ہے، بیشک نوجوان بدایونی کے کلام میں حسن ہے مگر کسی آئینہ کا عکس ہے، اصل جلوہ ابھی ہماری نظروں سے دور ہے، امیدیں ہم کو بھی بہت ہیں، حضرت مضطر صابری معطر وحید تغزل پیش کر رہے ہیں، قدامت کا شائستہ جامہ زیب کلام ہے، ندرت آزاد و تازگی بے قید کی دال یہاں نہیں گلتی، البتہ اضطراب شاعرانہ کہیں کہیں تو لہ غیر ضروری پیدا کر دیتا ہے، جسکو ہم قبل از وقت پیدائش کہہ سکتے ہیں، "جب تم ہی دور دور ہو تو پاس اپنے کون" قبل از وقت فرما دیا گیا، دور دور رہنے والے کے ساتھ تخاطب بذریعہ نامہ و پیام ہی ہو سکتا ہے، لیکن خط ابھی لکھا بھی نہیں گیا اور تخاطب شروع ہوگیا، ایک مصرعہ میں تین مرتبہ "کون" کا آجانا تکرار نہیں تو اور کیا ہے، اور اسی کو قبل از وقت پیدائش کہتے ہیں، کلام میں سلاست اور سادگی کی رنگینیاں ہیں جو اچھی طبیعت کی دلیل ہے۔ حضرت کیف مراد آبادی ثم البلندشہری تغزل میں کیفیت بار ہیں، ہر کیفیت میں ایک حقیقت معلوم ہوتی ہے، لیکن اظہار کیفیت میں قادر کلامی دور کا جلوہ نظر آتی ہے، شعر کے مزاج کیلئے انھیں الفاظ کا انتخاب ضروری ہے جو مطبوع و موزوں ہوں، ورنہ شعر کی کیف باری ژالہ باری بن جاتی ہے، دماغ چوٹیں کھاتا ہے اور دل مرنے لگتا ہے "اڑا تا ہے" "ساقی نہیں، شراب نہیں، میکدہ نہیں + لیکن فضا میں مستی صہبا ابھی سے ہے"۔ حقیقت نگاری کا اچھا اہتمام ہے کاش ندرت کا بھی کوئی پہلو ہوتا، جناب سحر رنگ تغزل میں بھی ڈوبے نظر آتے ہیں، لیکن مقدرات کو نمایاں کرنے میں عشق و حسن کی آویزشوں سے کہیں کہیں بے نیاز ہونا پڑتا ہے، تغزل کی جان یہی آویزشیں ہیں، حضرت شوخ ترابی متغزلین ------ کی صف میں ہیں ------ تربیت پرانی اور انداز بیان اصولی ہے، پرواز تخیل کے زیادہ قائل ہیں ------------ "اس مہر نیم روز سے آنکھیں ملائے کون" دنیائے عشق و محبت کو ایک نادر حقیقت ہے، بندش میں تنگی معلوم ہوتی ہے، لیکن جوش تخیل اور مضمون آفرینی کا ولولہ محاکات سے کبھی کبھی بے نیاز ہوجاتا ہے، ہندوستان کے ایک مشہور سائنسداں بھی شاعروں کی محفل میں نکتہ سنجی کی داد دے رہے ہیں، یہ سر شانتی سروپ بھٹناگر ہیں، آپ کی دو نظمیں زیب گلدستہ ہیں، (۱) "بیوی اور کتاب" جس میں رفیقہ حیات کے رشک کو حکمتی مگر مدلل جواب دیا گیا ہے، کتاب سے شوہر کا شغف دیکھ کر بیوی کی یہ تمنا کہ وہ کاش کتاب ہوتی ایک سا تلطف زنانی سرزنش ہے لیکن سرشانتی نے بیوی کو کتاب زندگی کا مفہوم بنا کر مقدمہ اپنے حق میں فیصل کر لیا۔ دوسری نظم "ٹھگنی سرکار جیکوٹ ملے" اگر نثر ہی بھی اگر پڑھا جائے تو سبا لو نہ ہوگا۔ یہ نظم اس ملاقات کا نقشہ اجمالی ہے، جو قدامت پسند وزیر ہند سکریٹری ایمری سے لندن میں ہوئی تھی دونوں نظموں سے سرشانتی کی قدرت کلام اور مافی الضمیر کے اظہار کا کمال ظاہر ہوتا ہے، حکمتی طنز اور جرح کرنیوالا مذاق ہر شعر میں کارفرما نظر آتا ہے، کہیں کہیں الفاظ کے انتخاب میں یا تو عجلت سے کام لیا ہے یا وزن و قافیہ کی تکمیل منظور ہے، پھر بھی نظم کے اندر جو مسلسل بھی ہوں اور طویل بھی، ہم ہر شعر کو ضعف سے مبرا نہیں پا سکتے، ایک جگہ "تمہاری گوارہ ہی" بالاعلان "کون" باندھا گیا جو اردو نظم کے اندر جائز نہیں، "جذب تقریر" کو "جذبۂ تقریر" کے معنی میں لکھنا غور طلب ہے، میرے خیال میں تو نظر ثانی کی ضرورت ہے ...... حضرت قابل لگانوی مطرحہ تغزل میں بھی ایک چابکدست مستری کی صورت میں سامنے آتے ہیں

مساحت اور اقلیدس کے اصول پر خشت و سنگ کی تلاش و انتخاب انتہائی پسندیدہ اور دیدہ زیب لیکن دلنواز موزوں اور تناسب، روح میں اہتزاز پیدا کرنے والا لوچ و گداز اگر ہے بھی تو ثمینکی، تماشوں کے اداکاروں کا کوئی عمل واردات ذاتی میں نہیں آتا، اس لئے دیکھنے والوں کے اندر کوئی مستقل جذبہ کردار سازی کا نہیں پیدا ہوتا، شاعر اپنے جذبات واردہ کے صحیح نقش نگارش کرکے دنیا کو ہر قسم کی عبرت کے سبق دیتا ہے اور حقیقی زندگی کے نغمے سناتا ہے حضرت آثر رباعیات اور قطعات کے پردوں پر مصور حقیقت نگاری کی حیثیت سے زینت لفظ و فکر ہیں، میں اپنی بے بضاعتی کے سبب اس شعر گوئی کے اصل حسن کو ستائش نہیں کرسکا ہوں لیکن دل کہتا ہے کہ ان مختصر نغموں میں کوئی کیف روحانی ضرور ہوگا - - - - -

- - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - مجھے قاضی ریاض الدین صاحب انصاری ایم۔ اے کے محسوسات کے میدان کے کنارے میں تیز کلک چلانا پڑا، ان محسوسات ریاض کی گلکاریاں نئے نئے انداز کے ساتھ مجھے بھی رنگین طبع بنا گئیں، حضرت نوح ناروی کی پیروی اچھے انداز میں کی گئی ہے زبان اور سلاست بیان کا ذوق کسی مضمون آفرینی اور نزاکت تخیل کا پابند نہیں، بیساختہ پن ترکیب و بندش کی زیبائی و آرائی سے لئے نیا نیا پن ملنے سے ان کی انوکھی ہیں باتیں جدائی ہے ان کی نرالی ادائیں + محبت سے برہم، خوشامد سے ناخوش، دعاؤں پہ غصّہ، دوا پر جفائیں۔ شاعری کو سہل اور آسان بنانے کی اچھی ابتدا ہے، خدا کامیاب فرمائے، حضرت عطا محمد صاحب شعلہ کی چند چنگاریاں تغزل کے فانوس میں تڑپ رہی ہیں، امید ہے کہ جلد شمع حقیقت بن جائیں گی، حضرت محمد جعفر برنی بلند شہر کی محافل ادب کے داعی اعزازی رضاکارانہ خدمات پیش کرتے ہیں سب سے زیادہ مشغلہ شعر گوئی کا مذاق ستھرا اور متین، تربیت طلب مزاج میں ولولہ، شعر ان کے مزاج کا آئینہ سخن سنجی میں بھی رضاکارانہ انداز موجود ہے، حضرت صمصام مرزا فرزند دہلوی شعر گوئی خاندانی ورثہ، دہلی کی زبان کے مالک تمدن بھی قدیم شرفائے دہلی کا سا، سلاست بیان میں اٹکھیلیاں، بات میں بات پیدا کرنے کا ڈھب، چند لفظوں سے تازہ شعر بنا دینا گویا خاندانی کرتب، آستاں پر جبیں کو دیکھ لیا + آسماں پر زمیں کو دیکھ لیا، محالات کی دنیا میں امکان کے کرشمے پیدا کرنا شاعر ہی کا کام ہے، نواب مرزا جعفر علیخان صاحب آثر لکھنوی کی دو رباعیاں زینت قرطاس ہیں، اثر صاحب خود ژرف نگاہ دبستان نقد ہیں۔ - - - -

- - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - -

- - - - حضرت زیبا علیگ کتابوں میں باتیں کرتے ہیں جو مذاق شعری کا اچھا ثبوت ہے کنایہ شعر میں ندرت اور سادگی پیدا کردیتا ہے، چاہے بات کتنی ہی پرانی ہو، "ذوق نظر کو اپنی پرستش روا نہیں + یوں اپنے آستاں پہ جبیں آزمائے کون" بات معقول ہی ہے، آستاں ہو یا سجدہ گاہ، محراب عبادت ہو یا جلوہ گاہ بتاں سب ذوق نظر کی تخلیق ہیں، ان پر جبین پرستش آزمانا یا جھکانا ذوق نظر کی خلاقی کو تسلیم کرلینا ہے، لیکن کبھی شعر میں "دل صدپارہ" کہکر "سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے" کا الزام رکھنا استغاثہ کو کمزور بنا رہا ہے، حضرت سید حامد مراد آبادی کا ایک قصیدہ جو خراج عقیدت کی صورت میں مشیدی کی طرف سے منشی کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے، دوسری فریاد بصورت نظم مسلسل عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہے، حامد صاحب کو بجا طور پر شریک حیات کا انتظار ہے۔ شاعر کی بلا جانے جو اسے محسوس ہوتا ہے لکھتا ہے، لکھنے کا انداز ہی انفرادیت کو نمایاں کرتا ہے، قصیدہ کے اندر بطور التزام بالو سکسینہ صاحب کو ممدوح بنایا گیا ہے، تشبیب میں بہت سی اچھی چیزیں آگئی ہیں، صبح بھی ہے کہسار بھی، گنگا بھی اور خزن بھی، بحر و خار کے ساتھ موسم برشکال بھی ہے اور کہسار کے ساتھ

موسم سرما بھی، بہر حال تشبیب میں مظاہرات طبعی کے ساتھ انکے لوازمات موسمی کو بھی شباب قصیدہ کا جزو بنا لیا گیا ہے، کلام کے اندر شستگی اور متانت ہے، تشبیہات میں سادگی اور مشاہدہ قریبی، ندرت و تازگی کی طرف فکر دوڑتی ہے، مگر کہیں کہیں بے تکلفی کے ساتھ، مشق کی ضرورت معلوم ہوتی ہے تاکہ آمد پیدا ہو جائے، حضرت ممتاز الدولہ نواب اکرم علیخاں صاحب اکرم غالباً ضلع بلند شہر کے رئیس، کلام میں سادگی اور سلاست، بے تکلف انداز بیان، واردات واقعی کا ہلکا سا پرتو ہر شعر میں، راقم الحروف کو اکرم صاحب کے یہ چند اشعار بہت بھلے معلوم ہوئے اور شعر کو ہر مصرعہ میں ڈھلا ہوا رکھا ہے، جس انداز کا مضمون ہے اسی انداز کے الفاظ اسی مزاج کی بندش، "مجھے وہ سجدہ کرتے دیکھ کر دربان سے کہتے ہیں + یہ میرے در پہ قسمت آزمانے کون آتا ہے" اساتذہ فن شعر کا قول ہے کہ شعر ایک ہی لفظ یا جملے سے بنتا ہے، "قسمت آزمانے" کے جملے نے شعر میں ندرت، دلفریبی اور تاثیر پیدا کر دی ہے، ماشاء اللہ نواب زادہ تمیم صاحب کا ذوق شعری تو خداداد معلوم ہوتا ہے لیکن محنت اور مشق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، نیز اہل مذاق کے مشورہ کی صورت تو نکال ہی لینی چاہیئے، حضرت فیض جھنجھانوی، الفاظ کی لڑیوں میں کوئی چیز پرو دینے کی شدید آرزو رکھتے ہیں لیکن چیز کیا ہو، یہ دست فیاض پر منحصر ہے، سمندر موتی بھی رول دیتا ہے اور کوڑیاں بھی، باغ پر بہار گل و غنچہ بھی بخشتا ہے اور خس و خار بھی، صحیح انتخاب اور صحیح استفادہ مذاق شعری کے فیض پر منحصر ہے، اس لحاظ ان کا انداز لیں جو چاہیں، وہ پروئیں، "شراب نغمہ کی بارشوں میں جوانی بے پناہ تیری + نہیں اڑ جائے نہ جانے کس کس کے کی چشم سیاہ تیری" وغیرہ، حضرت سیف مراد آبادی دوبارہ بزم تغزل کی رونق بنے ہیں، فقیر کو یہ شعر پسند آیا ہے "وہاں بھی عشق کی دیوانگی ہی ساتھ دیتی ہے + جہاں کوئی شریک قسمت آدم نہیں ہوتا" جناب مضطر لکھوڑوی، نوجوان شاعر ہیں، فنافی الشعر، شعر اوڑھ کر رکھتے ہیں جانفزا اسم ودمساز مشق سخن ابتدائی مرحلوں میں ہیں مگر زور شور کے ساتھ، جوش اور ولولہ کے اظہار کی طرف طبیعت زیادہ راغب = وہی آہیں وہی نالے وہی آشفتہ سامانی + مجھے تو اعتبار انقلاب غم نہیں ہوتا، ہموار کا گداز شعر کو شمع گداز بنا دیتا ہے، شعر کو فردوس گوش بنانا آسان ہے لیکن جنت روح دل بنانا دشوار، حضرت فیض جھنجھانوی یکدم تغزل سے بھی جرعہ نوش ہوئے ہیں لیکن سیاسی تغزل ہی خوب ہے، حضرت کلیم بربنی مطلع تغزل کو پیش فرما رہے ہیں شعر کا ذوق فراواں معلوم ہوتا ہے، ندرت اور تازگی پیدا کرنے کی جد و جہد شعروں سے ظاہر ہے، ذوق کی صحیح رہبری مطالعہ ہی کرتا ہے، شعروں کی استعداد ترقی پر معلوم ہوتی ہے لیکن = "ساقی کو کچھ غرض ہے نہ مستوں کو ہوش ہے + زاہد کو راز بادہ دستی بتائے کون" اچھا ہے کہ کلیم صاحب نے اپنی زندگی کی ایک حقیقت پیش کر دی، حضرت سید سجاد حسین آزری شکار پوری مطلع تغزل پیش فرما رہے ہیں، ترقی کے آثار ہیں لیکن شعروں میں اصلاح کی گنجائشیں اور معلوم ہوتی ہیں، کبھی کبھی شعر کو بحیثیت فن سمجھنے کی بھی ضرورت ہے، شاعر کو اس ضرورت سے بے نیاز نہ ہونا چاہیئے، حضرت بشیر درانی جہانگیر آبادی چار شعروں سے شریک گلدستہ ہیں، الفاظ کے انتخاب کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی کبھی حقیقت کو بھی سہل طریقہ میں پیش کر جاتے ہیں، یہ انداز اگر مستقل ہو تو ایک انفرادیت خصوصی پیدا کر دے گا، "وہ میری جس قدر تسکین خاطر کرتے جاتے ہیں + طبیعت اور برہم اور برہم ہوتی جاتی ہے" اور "برہم" کی تکرار نے ردیف کو بھی اکمل کر دیا، اور ایک حقیقت بھی واضح کر دی، جناب طاہر بریلوی، تغزل کے ساتھ لطیفہ بیانی بھی ہے، حسن تعلیل اور رعایت لفظی کا اہتمام بھی ہے، کنایہ ضرور مگر زیادہ لطافت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، "پوچھنے میں ظاہری حالت کچھ اس انداز سے + مجھ کو یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ اب آرام ہے" کنایہ بھی ہے اور حقیقت بھی، کلام میں خاص پختگی ہے، جناب بسمل شاہجہانپوری شوق اظہار واجبی لیکن احتراز محسوسات کے ساتھ نظم آرائی کی ضرورت ہے "سبو بر دوش، مینا در بغل" بنا کر بادہ خواروں کی نسبت یہ کہنا کہ بقدر ظرف پی کر آئے رعایت معنوی کی ایک حد تک

تکمیل ہوتی ہے" لیکن مستانہ وار" کہکر "بقدر ظرف" کی علت لگانا دور از تلازمہ ہے، رنگ تغزل گہرا ہے لیکن نظر فریب سرور انگیز
نہیں، حضرت تبسم سہروردی تلاش مضمون اور ذہنی تگ و دو میں مخلصانہ طور پر مشغول نظر آتے ہیں، اگر یہ جذبۂ
تلاش و شوق تگ و دو طالب علمانہ رہے تو ترقی کی راہیں کبھی مسدود نہیں ہونگی لیکن ہمارے متقین سخن سنجان
شہرت پسند اپنی تلاش و تگ و دو کو استادی کی تکمیل میں صرف کرتے ہیں، علم ہو یا فن صاحب کمال، طالب علم و طالب فن ہی
رہنے سے بنتا ہے، جناب منشی رحمت اللہ رحمت بلند شہری مطرحہ تغزل ہدیہ فرما رہے ہیں، سہولت پسندی لطف زبان کے ساتھ ہر شعر میں
موجود ہے، نہ غیر ضروری پرواز تخیل ہے اور نہ غیر مستطیع تلاش مطلب، سادگی اور سادگی کیساتھ اسلاف کی عقیدتمندانہ پیروی غزل
اچھی ہے، حضرت رضوی خیر آبادی بعض حقیقتوں کو اچھے اور سادہ پیرائے میں کہہ جاتے ہیں، زبان میں شستگی کے ساتھ سوز و نشتریت بھی
جھلکیاں دکھا جاتی ہے، شوق شعر گوئی ہر بیان سے ٹپکتا ہے مشورہ سخن کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جناب انور سہسرامی کے تخیلات
میں ندرت کی بجائے اساتذہ کے کلام سے عقیدت ظاہر ہوتی ہے، موجودہ زمانہ کی اردو شاعری کا رجحان نئی زندگی کے انتساب
نور کی سعی میں نمایاں ہو رہا ہے، تغزل کے بعض زیر و بم ہیں تو اتنے کے ساتھ دہرائے گئے ہیں کہ پردوں پر فرسودگی کے نقش ابھر آئے
ہیں حسن اور اسکی چند ستائش خصوصیات عشق اور اسکی چند گھڑی ہوئی عادات نئی دنیا کیلئے رجعت پسندی بن گئی ہیں
خوبصورت ندرت اور روح فریب تازگی پیدا کرنے کیلئے ہر اردو شاعر کو طیار ہو جانا چاہئیے، اس جدید خط پر دنیا کی نظریں دوڑ
رہی ہیں اور یہی زمانہ جدید کی مقرر کی ہوئی کامیاب منزل ہے، حضرت شرر [illegible] انداز بیان میں تازگی اور فرسودگی کے رنگ کو
دور کرکے نئی طرز کی جلا دینے کا شوق معلوم ہوتا ہے نہ جانے کس کے آنسو دستے گل پر مسکرا رہے ہیں + نظر کو اعتبار جلوہ شبنم
نہیں ہوتا - انجان بن کر دانائی کی بات کہنا دلفریب پیرایہ ہے، نیر کے خیال میں فارسی بندش کے لحاظ اعتبار کے معنی یقین
کے نہیں آنا چاہئیں، یہ خالص اردو کی کارفرمائی ہے، مگر جس نے اعتبار کے معنی اعتماد اور یقین کے مقرر کردئے ہیں، محض
لفظ اعتبار کا استعمال یقین و اعتماد کے معنی میں اردو کے اندر آ گیا ہے، جناب بیتابی ترنی نوجوان شاعر ہیں جذبہ نوجوانی و
شوق فراواں انکے اشعار سے بھی ٹپکتا ہے، جدید رجحانات کی جھلک ان کے اشعار میں ہے، الفاظ کی کمی معلوم ہوتی ہے
ہمارے نوجوان شعراء کے اندر یہ تجدید سرمایہ عام معلوم ہوتی ہے کچھ حسین الفاظ اور خوبصورت بندشیں حافظہ میں محفوظ
ہو گئی ہیں، انھیں کا استعمال مختلف پہلوؤں پر ہوتا رہتا ہے، یہ تو بھی ایک ذہن صناع کا کام لیکن اس سے تخیل محدود ہو کر
رہ جاتی ہے اور ہم نصب العین شاعری متعین کرکے وسعت نہیں پیدا کرسکتے، حضرت سید کفیل احمد صاحب کفیل کاکوروی صاحب
دل مکمل میں ہر شخص کے محبوب اور ہر شخص کے محب شعر کے اندر بھی یہ ہمرنگ جان رنج زندگی نمایاں ہے، غالباً شعر بہت کم کہتے ہیں
جناب اقبال الدین احمد صدیقی "دوگنگا" کے عنوان سے ایک نظم درج گلدستہ کیگئی ہے، نظم کے عنوان میں بھی کوئی ندرت
نہیں اور نہ انداز بیان اور اظہار ما فی الضمیر میں کوئی نرالا رخ ہے، جس طرح سے اس عنوان پر لکھا ہے جناب صدیقی صاحب
بھی کہہ رہے ہیں، ممکن ہے کسی بزم ادب کے مشتہرہ اعلان پر یہ نظم لکھی گئی ہو، بہرحال اشعار کو دلچسپ اور پر تاثیر بنانے کی کوشش
کی گئی ہے، تاریخی تاثرات کے اظہار نے نظم میں شکوہ پیدا کردیا ہے، حاجت تھی الفاظ اور بندشوں کے اور بہتر
انتخاب کی، بعض مصرعے پر کیف ہیں "کھیل ہے تیرے لئے یہ گردش لیل و نہار" + "ہائے کیسی طرز قدیمانہ کہیں انداز نو"
وغیرہ، حضرت حبیب اللہ صاحب حبیب ہری کا مطرحہ تغزل سامنے ہے، جذبات کے لحاظ سے کسی تصنع کی گنجائش کی تلاش
ناکام ہوگی، سوز و درد کا [illegible] باب دساں کسی ہوتا، حضرت حنیف دہلوی سخن فہمی کے ذوق کا گرویدہ
بن جانے کی بھی تحریک پیدا ہوتی ہے، حضرت حنیف کی غزل اس سعی کی غمازی کر رہی ہے، تکلف محفل کیلئے بھی بعض طبائع مزاج

شعری سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ جناب منشی ولی محمد خاں ولیؔ اورنگ آبادی نے غزل معاوضہ مصرعہ کے کلام میں معاملہ بندی کا رنگ ہے "یہ کتنی خوش نصیب میری اطلاع تک + بے ساختہ یہ حسن کے وہ کہتے ہیں ہائے کون" ردیف میں محاکات کا حسن کر حضرت منظر ناظری سکندرآبادی کے کلام میں تخیل کی معلوم ہوتی ہے معیار اوسط اور زبان میں مختاط۔ "ہر شاخ آشیاں پر جو فرصت بہار کے جلتے کو روز یہ دن نشیمن بنائے کون" اپنی مایوسی کی انتہا کیلئے حسن تعلیل خوب پیدا کیا، نشیمن کی عدم تعمیر اپنے ذوق عمل کی کمی سے نہیں بلکہ برق و صیاد کے لطف و ستم کو مٹاتا ہے، حضرت سید حسن برقؔ ایڈووکیٹ بلند شہر دو دھاری غزل عنایت فرمائی گئی جس کا عنوان "یادِ حبیب ہے" فارسی زبان میں اصل شعر کہا گیا ہے، پھر اسی کا ترجمہ اردو میں ہے، حتنا علم ہیں اس لئے سارا کلام حشو و زوائد سے پاک ہے، مزاج قانونی کو روح شعر سے صرف برائے نام سا تعلق معلوم ہوتا ہے۔

یادِ حبیب میں ہر مصرعہ کی ابتدا لفظ "یاد" سے ہونا کسی کاریگر کی دستکاری کی نمائش تو ہو سکتی ہے لیکن یادِ حبیب میں واردات زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، تعمیر اچھی ہے، نئی دہلی کا کونسل ہال تو ہو سکتی ہے روضہ تاج گنج نہیں، حضرت شوخ برنی ایک نظم دلپذیر کی صورت میں بہ حیثیت شاعر کے پھر نظر آتے ہیں، "فریب مشاہدہ" اس کا عنوان ہی نہایت مشتق ظاہر ہے اور اظہار مافی الضمیر پر قدرت بھی معلوم ہوتی ہے، کاش معنوی سہولت بھی ہوتی اور دماغ کے لئے سمجھانے کا داشن کے سرور کا موقع حاصل ہوتا، تعقید معنوی حسن کلام بن جاتی ہے، اگر لفظوں کی سلک مسلسل منطقی طور پر صحیح رہبری کا جوہر رکھتی ہو۔ "برق تجلیات کی تاب نظر نہ لاسکی + جلوؤں نے ہاتھ رکھ دیا دیدۂ انتظار پر" "ہاتھ رکھ دیا" مثبت فعل ہے اور منطقی طور پر معنی نفی کے پیدا ہوتے ہیں، یہ اچھی تعقید معنوی ہے......، سید احسن برنی نظم معرا یا اشعار غیر منظوم کے لباس میں رونق گلدستہ ہیں، چونکہ یہ علم میں نے نہیں پڑھا اور نہ اس قسم کی شاعری سیکھی اس لئے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔

جو کچھ اس فقیر نے عرض کیا ہے وہ "کلام" ہی کے متعلق ہے، اگر کسی متعارف "کلیم" صاحب کو مجھ سے اتفاق نہ ہو تو وہ میری صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں، میں نے طالب علمی کا رستہ ابھی طے نہیں کیا ہے، علم و آگہی میری کھوئی ہوئی پونجی ہے جہاں سے ملے گی حاصل کر لوں گا، مجھے بڑی خوشی اور امید ہے کہ بلند شہر کی ان ادبی اجتماعات اور ان کی ادبی نشریات کا نتیجہ بہتر نکلیگا۔ میں اپنی ذاتی اطلاعات پر سید حامد صاحب کی مساعی بلیغ کو اپنے لئے باعث مسرت و اطمینان سمجھتا ہوں، وہ اپنے اور بلند شہر کے ذوق ادب کے مابین ایک پختہ رشتہ قائم کرنے کی جد و جہد کر رہے ہیں، یہ گلدستہ بھی انھیں کے ذوق فراواں کا ایک جلوہ ہے۔ میں اس سلسلہ میں انجمن فروغ ادب کی خدمت میں ارمغان تبریک پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں، مجھے ارباب ذوق کی وابستگیوں سے امید ہے کہ اس ادبی ادارے کو مفید اور مقبول بنائیں گے، گلدستہ ہذا کی اشاعت و ترتیب میں کارکنان انجمن مذکور نے جس کارانہ انہماک کا اظہار کیا ہے، امید ہے کہ بلند شہر کے ذی استطاعت اصحاب اس انجمن کی حوصلہ افزائی میں بخل نہ فرمائیں گے، شاعر تلامذۂ رحمن ہے اس کو رحمت و محبت کا پیامی ہونا چاہیئے۔ — والسلام —

شعر —

کوئی دل ہو جو پہلو میں تو میری بات سمجھے بھی
زمانہ اس کو کیا سمجھے گا جو میں دل سے کہتا ہوں

جذباتِ تصوّر

(علامہ بدر جلالی)

نہ قصۂ دردِ دل بیاں ہو نہ شکوۂ جورِ آسماں ہو
عجب ہے آئینِ عاشقی بھی جو اہلِ دل ہو وہ بے زباں ہو

وہ ایک مشتِ غبار ہو یا کسی کا وہ سنگِ آستاں ہو
وہ سرزمین رشکِ آسماں ہو ہمارا نقشِ جبیں جہاں ہو

کمالِ ذوقِ تلاش یہ ہے کہ بے نیازِ رہِ جہاں ہو
نہ راہبر ہو، نہ راہزن ہو، نہ رہگذر ہو، نہ کارواں ہو

کہاں ہیں اپنے نصیب ایسے عدو سے وہ شوخ بدگماں ہو
مگر بدل جائے ساری دُنیا نہ یہ زمیں ہو نہ آسماں ہو

نہیں ہے ممکن بغیر اسکے ہو آبیاریِ کشتِ اُلفت
بجائے اشکوں کے چشمِ تر سے دل و جگر کا لہو رواں ہو

یہ چاہتا ہوں نشاطِ حیرت بڑھے کچھ اپنی حدوں سے اتنا
کہاں کا نظارہ بیخودی بھی نہ انکے جلووں کی رازداں ہو

زبانِ سوسن کے داغ ہوں یا زبانِ شمعِ حرم کے شعلے
نہیں ہے شرحِ جمالِ کم سال کسی زباں کی وہ داستاں ہو

۲

اگر یہ سچ ہے کہ لٹ گیا ہے کوئی سرِ منزلِ محبت
دلِ حزیں لازمی یہ کیا ہے کہ وہ ہمارا ہی کارواں ہو

اگر سمجھ لیں یہ اہلِ دُنیا حیات دنیا ہے اعتباری
نہ فکرِ تخریبِ باغباں ہو نہ حرصِ تعمیرِ آشیاں ہو

رہائی معلوم ہے اسیرِ غمِ جہاں کی کہ جس کے سر پر
بہ شکلِ ملبوسِ زندگانی کھنچا ہوا دامِ آسماں ہو

لئے ہوئے ذوقِ پائمالی ہے وہ نقشِ زمیں کی صورت
قدم رہِ عشق میں وہ رکھے نہ جسکے دِل ہو نہ جس کے جاں ہو

مزہ تو کیفِ نظر کا جب ہے کہ ہو تصور بھی اک حقیقت
قفس کے پردوں پہ بدرؔ بیکس کھنچا ہوا نقشِ آشیاں ہو

(بدرؔ جلالی)

قطعات

جناب قابلؔ گلاؤٹھوی

"عصمتِ محبت"

عاشقی میں جنونِ عصیاں بھی — کس قدر پارسا بناتا ہے
ایک اِک لغزشِ محبت پر — بخشنے والا یاد آتا ہے

"تفسیرِ حیات"

جو آفت سازِ شورشِ غم میں — زندگی عافیت سے چلتی ہے
قطع کرتا ہے جس کو دستِ اجل — وہی شاخِ حیات پھلتی ہے

۳

نغماتِ ماہر

(جناب ماہر القادری)

مجھے فریب نہ دے اے نشاطِ میخانہ
میں سُن رہا ہوں صدائے شکستِ پیمانہ

جہاں جنوں سے بھی ہے چشمک حریفانہ
گزر رہا ہے اب اُن منزلوں سے دیوانہ

صنم کدوں کے پجاری ہیں مسجدوں کے امام
حرم کے نقش میں ہے پھر فروغِ بت خانہ

نہ آرزوئے بہاراں نہ خوفِ دورِ خزاں
نہ جانے کس نے رکھی تھی بنائے ویرانہ

گدازِ شمع سے واقف نہ سوزِ غم کی خبر
اُلجھ رہا ہے ابھی روشنی سے پروانہ

کوئی سُنے نہ سُنے میں سنائے جاتا ہوں
مرا کلام ہے ماہرؔ سرودِ مستانہ

رباعیات

(جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ)

پینے دے مجھے رنج و الم کھونے دے
روتے ہیں جو قسمت کو انھیں رونے دے
اِک مست نظر ادھر اِدھر اے ساقی!
یہ دور تو بے جام و سبو ہونے دے

دل بغض و حسد سے کبھی رنجور نہ کر
یہ نورِ خدا ہے اسے بے نور نہ کر
نا اہل و کمینہ کی خوشامد سے اگر
جنت بھی ملے تجھ کو تو منظور نہ کر

نظارۂ خموش

(حضرت تاسف خورجوی)

طے کرتے کرتے تیری تصور کی منزلیں　　لاکھوں حجاب میں کوئی حائل نہیں رہا
آئینِ بزم یاد ہے نظارۂ خموش　　گویا ہوا تو در خورِ محفل نہیں رہا
کیا پوچھتے ہو مجھ سے تغیر کی واردات　　تم وہ نہیں رہے وہ مرا دل نہیں رہا

میں اس مقام پر ہوں تاسف جہاں مجھے
کچھ امتیازِ جادہ و منزل نہیں رہا

قطعات

"تلاش"

سکونِ دیدہ و دل ڈھونڈتا ہوں　　تھکا ہارا ہوں منزل ڈھونڈتا ہوں
حیاتِ بے تعلق موت ہے راز　　برائے زیست قاتل ڈھونڈتا ہوں

حضرت راز مراد آبادی

"تجدید"

اے میرا عزم ترکِ عاشقی　　آج تو وہ خود منانے آ گئے
پھر کوئی نامہرباں ہو مہرباں　　پھر وہی کا فرزانے آ گئے

حضرت راز مراد آبادی

رعنائیاں

حضرت شکیل بدایونی

آنکھوں سے دور صبح کے تارے چلے گئے
نیند آگئی تو غم کے نظارے چلے گئے

دل تھا کسی کی یاد میں مصروف اور ہم
شیشے میں زندگی کو اتارے چلے گئے

اللہ ری بیخودی کہ ہم انکے ہی روبرو
بے اختیار انھیں کو پکارے چلے گئے

کچھ سہل تھا نہ عشق کی بازی کا جیتنا
کچھ جیتنے کے خوف سے ہارے چلے گئے

ناکامیٔ حیات کا کرتے بھی کیا گلہ
دو دن گذارنا تھے گذارے چلے گئے

ترغیبِ ترکِ شوق کے پردے میں غمگسار
ہر نقش آرزو کو ابھارے چلے گئے

پہونچائی کس نے دعوتِ اہلِ زمیں تک
شاید تری نظر کے اشارے چلے گئے

وہ دل حریفِ جلوۂ فردوس بن گیا
جس دل میں تیرے غم کے شرارے چلے گئے

اُن کے لیے بھی زیست بہرحال زیست تھی
جیسی گذر رہی تھی گذارے چلے گئے

جلوے کہاں جو ذوقِ تماشہ نہیں شکیل
نظریں چلی گئیں تو نظارے چلے گئے

قطعہ

"فراغ"

خرد کی نیند جنوں کو سُلا دیا میں نے
زہے فراغ انھیں بھی بھلا دیا میں نے
مری طرف سے وہ اب آئیں یا نہ آئیں راز
چراغِ بزمِ تمنا بجھا دیا میں نے

حضرت راز مرادآبادی

رنگِ تغزل

(حضرت مضطر صابری)

بن گرمیٔ بہار سے دل کو جلائے کون؟
شعلوں میں بجلیوں میں نشیمن بنائے کون؟

انکے سوا سکون کی دنیا بسائے کون؟
آوارہ زندگی کو ٹھکانے لگائے کون؟

لے دل کسی کے پاس تجھے لیکے جائے کون؟
کمبخت تیرے روز کے جھگڑے چکائے کون؟

اپنا تو دو جہاں میں تمھیں سے ہے واسطہ
جب تم ہی دور دور رہو تو پاس آئے کون؟

مانا کہ سوتے ہیں مری قسمت مرے نصیب
ان کو جگا کے حشر و قیامت اوٹھائے کون؟

اللہ رے خواب راحت آسودگان خاک
سوتے ہیں گہری نیند انھیں اب جگائے کون؟

ہم کو شب فراق ترے درد کے سوا
اٹھ اٹھ کے بار بار اٹھائے بٹھائے کون؟

پھولوں پہ اوس پڑ گئی کلیاں ہیں دم بخود
اب کھلکھلا کے مجھ کو چمن میں ہنسائے کون؟

افسوس آجتک ہمیں اتنی خبر نہیں
دنیا میں کون کون ہیں اپنے پرائے کون؟

کیوں بڑھتی جا رہی ہیں مرے دل کی دھڑکنیں
مضطر یہ آرہا ہے ادھر منہ چھپائے کون؟

رباعی

تم بحر حوادث میں ابھرنا سیکھو
ہر حد تعین سے گذرنا سیکھو
ایثار طلب ہوتا ہے ہر نقش دوام
جینے کی تمنا ہے تو مرنا سیکھو

سحر

غزل

(حضرت رازؔ مرادآبادی)

شکوہ کسی کے جور کا ہونٹوں پہ لائے کون؟
ناکامیوں کو اپنی فسانہ بنائے کون؟

جلوے نظارہ سوز، تبسم خرد شکار
تو ہی بتا کہ اب ترے نزدیک آئے کون؟

خوں ہو گیا ہے وعدۂ فردا سے دل مگر
جلتا ہوا چراغِ تمنا بجھائے کون؟

پیہم اشارتِ نگہِ ناز الاماں!
اب کس کو حوصلہ کہ محبت چھپائے کون؟

وہ بھی مری طرح ہمہ تن بیقرار ہیں
لیکن سوال یہ ہے کہ تہمت اٹھائے کون؟

غزل دیگر

ہجومِ غم میں جو دل مسکرا نہیں سکتا
کبھی وہ نازِ محبت اٹھا نہیں سکتا

ترے کرم نے یہ دعویٰ بھی کر دیا باطل
مجھے تھا زعم کہیں سر جھکا نہیں سکتا

یہ اہتمام کہ اک اک نظر ہے افسانہ
یہ احترام کہ اُن کو سنا نہیں سکتا

اسے کرم کی بشارت نہ دے خدا کے لئے
جو تیرے جور کی بھی تاب لا نہیں سکتا

یہ جبرِ عشق نہیں ہے تو رازؔ پھر کیا ہے
بھلا رہا ہوں انھیں اور بھلا نہیں سکتا

قطعہ

(کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ)

روک دے گردشِ زمانہ کو
تیرے ہاتھوں میں جام ہے ساقی

فرصتِ صبر و جبر کس کو ہے
زندگی تیز گام ہے ساقی

کیفیاتِ شوخ

(حضرت شوخ برنی)

زنہار بے نقاب سہی تاب لائے کون؟ — اس مہرِ نیمروز سے آنکھیں ملائے کون؟
اُن تک پیامِ نیم شبی لے کے جائے کون؟ — میری شکستہ آہ میں اب پر لگائے کون؟
پھولوں کو رازِ گریۂ شبنم سنائے کون؟ — نیرنگیٔ بہار کا پردہ اُٹھائے کون؟
آگہ نگاہ و دل کو سرے جگمگائے کون؟ — یوسف کی طرح خوابِ زلیخا میں آئے کون؟
نیرنگیٔ جہاں کی بہاریں ہیں دلفریب — کھل جائے رازِ غم تو یہاں مسکرائے کون؟
اب تک تجلیوں میں ہے گم حیرتِ کلیم — پھر عالمِ نگاہ میں جلووں کو لائے کون؟

مانا کہ حسن محوِ تماشائے عشق ہے
لیکن مشاہدے کو تعین میں لائے کون؟

رباعی

ہے مختلف حدِ کیفیت اثرِ دورِ شراب — سب ہیچ ہیں نظروں میں گناہ اور ثواب
پینی ہے تو پی لیں گے کہیں پیری میں — ہے عہدِ جوانی میں تو پانی بھی شراب

قطعہ

خیالِ سود نہ خوفِ گزند رکھتا ہوں — خوشا نصیب کہ فطرت بلند رکھتا ہوں
مصیبتوں سے مجھے اُنس ہے محبت ہے — کہ میں طبیعتِ مشکل پسند رکھتا ہوں

(کنور مہندر سنگھ بیدی سحر)

اہتمامِ حضوری

(حضرت کیفؔ مراد آبادی)

دِل میں ہجومِ شوق و تمنّا ابھی سے ہے
آنکھوں میں اِک سرور کی دُنیا ابھی سے ہے

حاضر نہیں ہوئے ہیں ابھی بزمِ دوست میں
لیکن خیالِ محوِ تماشا ابھی سے ہے

انفاس میں ابھی سے ہے اِک حشرِ اضطراب
احساس میں قیامتِ صغریٰ ابھی سے ہے

ہر ہر خیال میں ہے ابھی سے بہارِ حُسن
ہر ہر نظر میں برقِ تجلّی ابھی سے ہے

×

بزمِ تصوّرات کا عالم نہ پوچھئے
ذرّوں پہ مہر و ماہ کا دھوکا ابھی سے ہے

کتنے حجاب ہیں نگہِ شوق پر ابھی
اور سامنے وہ چہرۂ زیبا ابھی سے ہے

ہے دور پائے ناز سے میری جبینِ شوق
مخمورِ نازِ حُسن خود آرا ابھی سے ہے

×

ساقی نہیں شراب نہیں میکدہ نہیں
لیکن فضا میں مستیٔ صہبا ابھی سے ہے

×

وہ آفتابِ حُسن ابھی رو برو نہیں
ہستی تمام رشکِ ثریا ابھی سے ہے

خود حسن نے دیا بھی نہیں ہے جوابِ عشق
اور عشق ہے کہ حسن سراپا ابھی سے ہے

وہ آئے بھی نہیں ہیں نگاہوں کے سامنے
ہم ہیں کہ فکرِ عرضِ تمنا ابھی سے ہے
آنکھوں میں ہے خفیف سی اک التجائے شوق
ہونٹوں پہ اک لطیف سا شکوہ ابھی سے ہے

ہیں کتنی دور حسن کے آغوشِ ناز سے
لیکن سپردگی کی تمنا ابھی سے ہے

اُن کی نگاہِ مہر کو دیکھا نہیں مگر
دل بے نیازِ ہر غمِ دنیا ابھی سے ہے
اور پھر اس اہتمامِ حضوری کے باوجود
کیا جانے کیوں فراق کا خطرا ابھی سے ہے

قطعات

(جناب قابل گلاوٹھی)

کیفِ حیات

نزع میں بھی بساطِ بادہ سے
کیا ترے بادہ خوار اٹھیں گے
پی کے مے کو پیا جو جامِ فنا
حشر میں ہوشیار اٹھیں گے

سرخوشی و مستی

انقلابِ حیات و زخمِ ممات
کہیں رندی کے داغ دھوتا ہے
سیکڑوں کو خمِ مزار پہ بھی
خمِ مے کا گمان ہوتا ہے

غزل

(کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی سحر)

نہ ہو درد آشنا دل یا جو اس قابل نہیں ہوتا
اسے پتھر تو کہہ سکتے ہیں لیکن دل نہیں ہوتا

سمجھ کر کود دریائے محبت میں ارے ناداں
یہ وہ دریا ہے جو شرمندۂ ساحل نہیں ہوتا

رہِ الفت میں اکثر اک مقام ایسا بھی آتا ہے
جسے منزل سمجھتے ہیں مگر منزل نہیں ہوتا

غمِ الفت سلا ہم ہیں اس منزل میں اب یارب
جہاں دل دیکھئے بھی بجلیِ انساں کبھی بے دل نہیں ہوتا

من و مائی کو دل سے دور کر دیا اسکے طالب
یہی پردہ ہے ورنہ اور کچھ حائل نہیں ہوتا

ثواب زہد سے واقف تو کچھ میں بھی ہوں زاہد
جو مائل ہیں مگر دل اس طرف مائل نہیں ہوتا

بتوں میں عشوہ و ناز و ادا ہوتے ہیں سب لیکن
نہیں ہوتا اگر ان میں تو بس اک دل نہیں ہوتا

شہیدستان قسمت کے مقدر میں ہے ناکامی
کہیں مجنوں نہیں ہوتا کہیں محمل نہیں ہوتا

مرے سجدے میں اور واعظ کے سجدے میں ہے فرق اتنا
کہ اسکی نیت سجدہ میں دل شامل نہیں ہوتا

کبھی جیتا ہے مر مر کر کبھی مرتا ہے جینے پر
تناسخ کا مگر پھر بھی سحر قائل نہیں ہوتا

غزل

کیا حاجت بادہ خواری کی کیا مطلب ہے میخانے سے
او مست نظر والے ساقی دو گھونٹ اسی پیمانے سے

کچھ شمع ہی پر موقوف نہیں قائم نہیں کچھ پروانے سے
جب حسن و محبت ملتے ہیں بن جاتے ہیں افسانے سے

نیت تیری برحق لیکن اے چارہ گر بس رہنے دے
کچھ ایسے زخم بھی ہوتے ہیں جو چھیڑتے ہیں بھر جانے سے

یوں کعبہ پر ایمان تو تھا اور اب بھی ہے سوچا یہ تھا
کیا منہ دکھلائیں گے جاکر گر لوٹے ہم بت خانے سے

شکوے تیرے بجا بھی پر دل میں سحر تو سوچ ذرا
اس سرے پا تک گلشن کو کیا نسبت ہے ویرانے سے

(کمنور) مہندر سنگھ بیدی سحر :

قطعات

جناب قابل گلاوٹھوی

درسِ عمل

جو حق کو بے نقاب کرے
زندگی مجاز سے بہتر
جو غلامی کا داغ دھو ڈالے
وہ لغاوت نیاز سے بہتر

حقیقت مجاز

حسنِ قدرت کا ہو جو آئینہ
نقش فانی نہیں وہ دائم ہے
سیری تخیل کی تجلی پر
کبریا کا وجود قائم ہے

قابل گلاوٹھوی

بیوی اور کتاب

(جناب سرشانتی سروپ صاحب بھٹناگر)

مجھ سے بیوی نے کہا اِک دن جو میں ہوتی کتاب — تیری دیدِ شوق سے ہر وقت رہتی فیضیاب
تیرے آلاتِ مساحت، تیرے اقلیدس کے باب — کاش میرے دِل کی گہرائی کا کر سکتے حساب

علم کا زریں ورق ہوتی یہ پیشانی مری
تھپکیوں کا لطف لیتی صفحہ گردانی مری

ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں توڑ کر شرم و حجاب — رہتی میں پیشِ نظر تیرے برافگندہ نقاب
تیرے قصے ہوتے میری عمرِ رفتہ کی کتاب — بخشتا حسنِ تخیل جن کو پھر رنگِ شباب

ہم کبھی مجنوں نظر ہوتے تو رخِ لیلےٰ کبھی
رشکِ "وامق" کبھی ہم صورتِ عذرا کبھی

میرے عارض کو تو چھوتا مثلِ اوراقِ کتاب — تشنگی دِل کی بجھاتا تیرے ہونٹوں کا لعاب
الغرض میری تمنا کا ہے یہ لبِ لباب — میں حضر میں ہم نشیں ہوں تو سفر میں ہمرکاب

سن کے یہ رک سی گئی اوراق گردانی مری
بن کے اشکِ منفعل ٹپکی پشیمانی مری

پھر رفیقِ زندگی سے یوں کیا میں نے خطاب — تو متاعِ الفت ہے، تو وہ کاغذ کتاب
میری چشمِ منتظر، میرا دِلِ پر اضطراب — تجھ کو رفتہ رفتہ اک دن کر ہی دیگا بے نقاب

لالۂ رنگیں گلِ خنداں ہے پژمردہ نہ ہو
مطلعِ امید ہے میرا تو افسردہ نہ ہو

تیرے قدموں میں مچلتا ہے عقیدت کا شباب
تیری آنکھوں سے چھلکتی ہے مروت کی شراب
تیرے دم سے نغمہ پیرا ہے مسرت کا رباب
تیری ہستی سے معنون ہے محبت کی کتاب

تو نہ خود بنتی اگر مفہومِ بابِ زندگی
کون سمجھاتا کہ مہمل تھی کتابِ زندگی

("ماخوذ از لاجونتی")

ٹھگنی سرکار

گو شرف مجھ کو ملاقات کا پہلے سے بھی ہے
ایری سے تو بہت باتیں ہوئیں آپ کی بار
قد میں چھوٹے ہیں وہ مجھ سے بھی تناسب بھی تو ہے
پست قوموں کے نمائندہ ہوں ٹھگنی سرکار
کل سرِ شام ملاقات کی دعوت آئی
دفترِ ہند میں پہونچا میں سجا کر دستار
ان کی خواہش کہ میں خود کوئی شروعات کروں
میری مرضی کہ یہ بولیں تو میں کھولوں منقار

اس طرف زعمِ حکومت سببِ صد نخوت
اس طرف نازکہ مہماں ہیں میں اک اہلِ قلم

پھر خاموشی تبسم نے مرے کچھ سر توڑی
کچھ مری چپ سے بڑھا ان کا بھی ذوقِ گفتار
ہنس کے فرمایا بہت خوش ہوں کہ آپ آ تو گئے
مجھ کو ڈر تھا کہ کبھی آ نہ سکیں آپ کی بار
گوشت مچھلی سے نہیں آپ کو رغبت نہ سہی
میں نے بھجوایا تھا اس بارے میں اک لمبا تار
گو ہے قلت سی یہاں گوشت کے راشن کی مگر
سبزیاں خوب ہیں تکلیف نہ ہوگی زنہار
مجھ کو امید ہے ہوٹل میں خوش آرام ہیں آپ
کوئی تکلیف نہ ہو ہے یہی حکمِ سرکار
فخر ہر ملک کو ہے آپ کی ایجادوں پہ
اہلِ سائنس کے ہیں پھول نچھاور اپنوں پہ نثار

کہئے کیا حال ہے خوش اہلِ وطن ہیں اب تو
کھانے پینے کی تکالیف تو کم ہیں اس بار

متحد ہو گیا کیا مقصدِ گاندھی و جناح
گتھیاں سلجھیں کہ ہے ہند کا الجھن میں ستار

گامزن راہِ ترقی پہ ہیں کیا علم و ہنر
طفلِ مکتب پہ ہے یا خبطِ حکومت کا سوار

کس کو دیں باگ حکومت کی پریشانی ہے
کرپس کہتا ہے کہ پیچیدہ ہیں ہندی اسرار

میں تھا الجھن میں کہ خاموش رہوں یا نہ رہوں
میری چپ فہم و خرد کا مری ہو گی اظہار

کہنے سننے سے مرے کیا یہ سدھر جائیں گے
مفت کس واسطے لوں سر پہ یہ اپنے تکرار

میری چپ سے جو بڑھی اس کی تبسم ریزی
وہ ہنسی دل میں چبھی جیسے کٹیلی تلوار

حریت جاگ اٹھی پر میں ادب سے بولا
شکریئے آپ کی مہمان نوازی کے ہزار

دل پکارا کہ یہ موقع ہے گنواتا کیوں ہے
تیرا مقسوم بھی اوروں کی طرح کنجِ مزار

نطق کو غیب سے اک جرأتِ گویائی ملی
جذبِ تقریر سے بیباک ہوئی یوں گفتار

ملک کا حال دگرگوں ہے دمِ آخر ہے
غیر ممکن ہے کہ بچ جائے تمہارا بیمار

ایک ہستی وہاں باقی ہے وہ فاقہ مستی
قوم کی قوم ہے بیمار نہیں ایک انار

ہند و مسلم ہوئے جاتے ہیں علوم اور فنون
وقفِ تسبیح ہیں یا زیرِ گرفتِ زنار

متحد ہوں بھی تو کس طرح ہوں گاندھی و جناح
آپ کچھ دیں تو وہ آ جائیں نہ دامن کو پسار

"کس کو دیں باگ حکومت کی" یہ جو مشکل ہے
اس کے حل کرنے کو بس لیجئے میں ہوں تیار

آپ کو بارِ حکومت سے میں کر دوں ہلکا
گردِ ماضی نہ ہو گر آئینۂ دل کا غبار

آپ کو عقل و خرد پر ہے بھروسہ میرے
اہلِ سائنس مجھے کرتے ہیں اپنوں میں شمار

قوم کا کتہ سے ہوں دل ہے تعصب سے بری آدھا مسلم ہوں تو آدھا مرا ہندو میں شمار
فیصلہ کیجئے کچھ ورنہ کہے گی دنیا
خوئے بد کے لئے ہوتے ہیں بہانے بسیار

("ماخوذ از لاجونتی")

قطعات

معراج تخیل

لیکے میخوار شمع ساغر سے
دشتِ اندوہ سے گذرتے ہیں
چاند کے آبگیں سفینے ہیں
عالمِ نو کی سیر کرتے ہیں

فردوسِ نظر

زہرۂ میکدہ جو رقص میں ہے
جھومتے ہیں فلک پہ سیارے
جلوۂ ماہ و چہرۂ خورشید
بادہ خواروں کے پھول ہیں پیارے

زہد و رندی

دل پہ لطف و کرم برستے ہیں
جیتے جی ہم جناں میں بستے ہیں
چشم ساقی سے ہو وہ ہم کو نصیب
شیخ صاحب جسے ترستے ہیں

قابل گلاؤٹھوی

غزل

(حضرت قابل گلاؤٹھوی)

اپنا ضبطِ عشق کی قیمت گھٹائے کون؟ — دل بہہ سکے تو آنکھوں سے آنسو بہائے کون؟
باغِ جہاں میں گُل کی طرح مسکرائے کون؟ — دل ٹوٹے جس خوشی سے اُسے منہ لگائے کون؟
مایوس ہو کے قدرِ وفا کی جتائے کون؟ — قسمت کو آزما کے تمھیں آزمائے کون؟
آنکھوں کو محرمِ غمِ اُلفت بنائے کون؟ — رودادِ دل زبانِ نظر پر بھی لائے کون؟
اب التفاتِ ناز کا احساں اٹھائے کون؟ — اے غیر آشنا تجھے اپنا بنائے کون؟
دل ساتھ دے تو عقل کو رہبر بنائے کون؟ — فطرت ہی جب ہے عشق تو پھر باز آئے کون؟
تم چھپ گئے تو شمعِ تصوّر جلائے کون؟ — دل کو کبھی اک مزارِ محبت بنائے کون؟
افسانہ ربطِ حسن و وفا کو بنائے کون؟ — دل کو ملا کے آپ سے آنکھیں ملائے کون؟
ہم پر ہیں تیرے شوقِ ستم کے کرم بہت — یہ بات بھی نہ ہو تو تجھے یاد آئے کون؟
ہر سانس لیں تو ہجر میں ہے نشترِ اجل — مقدور ہو تو جینے کی تہمت اٹھائے کون؟
خود حسن بے نیاز تغافل شکن ہے آج — ایسے میں اپنے دستِ طلب کو بڑھائے کون؟
اہلِ نیاز ہیں ترے سجدے سے بے نیاز — دل کو جھکا کے اپنی جبیں کو جھکائے کون؟
بد ذوقیٔ دعا سے ہیں پیدا حجابِ حُسن — چشمِ طلب نہیں ہے تو جلوہ دکھائے کون؟
وہ حسن شوخ چشم نہ ہو گر حیا پسند — آنکھوں سے چھپ کے گوشۂ دل میں بسائے کون؟
ہے یہ سکونِ دل بھی تقاضائے اضطراب — وحشت نہ ہو تو ہوش کے عالم میں آئے کون؟
یہ ساکنِ قدیمِ حرم ہیں عدوئے دیں — گر بُت نہ ہوں تو کفر پہ ایمان لائے کون؟

آہیں ہیں شعلہ بار۔ تو آنکھیں ہیں اشکبار ان آندھیوں میں شمع تمنّا جلائے کون؟
جو جلوہ سازِ گل ہو نہ دل سوزِ گلستاں اس برق کو چراغِ نشیمن بنائے کون؟
آتش بجاں ہے جس کی طلب میں بہارِ خُلد اس شعلہ زارِ عشق سے دامن بچائے کون؟
قابل ہو اس لحاظ سے عالم جو اب خُلد
غم بھی نہ ہو نصیب تو دنیا میں آئے کون؟

رُباعیات

(حضرت آثر)

حاصل کیا، امیدِ حاصل کیسی ہمّت ہمّت! یہ فکرِ ساحل کیسی
طوفاں ہو جا، کہ غرقِ طوفاں ہو جا ناداں خودی کی حدِّ فاصل کیسی

جو راہ چلے ہم وہی تقدیر چلی کشتی سوئے ساحل صفتِ تیر چلی
ناگاہ وہ طوفانِ حوادث اٹھا کچھ سعی چلی اور نہ تدبیر چلی

ہر چند یہ بات تجھ سے کہنے کی نہیں کہتا ہوں کہ منھ پہ آئی رہنے کی نہیں
ظاہر میں صفائی اور دل میں کینہ الٹی گنگا بہاؤ بہنے کی نہیں

زنہار قدم نہ ڈگمگانے پائے چتون پہ ذرا میل نہ آنے پائے
ہر لحظہ رہے نفس کی عزّت کا لحاظ سر جائے مگر بات نہ جانے پائے

محسوساتِ ریاض

(قاضی ریاض الدین صاحب انصاری ایم۔ اے)

مرے سر پہ آتی رہیں زندگی بھر مقدر کی خوبی سے لاکھوں بلائیں
مقدر کے غم دشمنوں کی شرارت زمیں کے ستم آسماں کی جفائیں

کہاں تک ہو ان کی خوشامد درآمد منائیں تو انکو کہاں تک منائیں
وہ بولیں تو بولیں نہ بولیں نہ بولیں وہ آئیں تو آئیں نہ آئیں نہ آئیں

مریضِ محبت کا اللہ حافظ طبیبوں سے کہدو کہ گھر اپنے جائیں
نہ اس کیلئے اب دوا با نتیجہ نہ اس کیلئے با اثر اب دوائیں

ہزار ان کو روکو ہزار ان کو ٹوکو یہ ممکن نہیں غیر کے گھر نہ جائیں
خوشامد عبث التجا بے نتیجہ، نہ وہ باز آئے نہ وہ باز آئیں

یہ دن، یہ فضا، یہ بہاریں، یہ موسم، یہ رُت، یہ سماں، یہ گھٹا یہ ہوائیں
غضب ہے کہ مہجور اب بھی رہیں ہم ستم ہو وہ پہلو میں اب بھی نہ آئیں

یہ پُر پیچ گیسو، یہ مخمور آنکھیں، یہ پُر نور چہرہ، یہ دلکش ادائیں
نہ بجلی گرے ٹوٹ کر آسماں سے خدا کے لئے یوں نہ وہ مسکرائیں

زمانے سے ان کی انوکھی ہیں باتیں خدائی سے انکی نرالی ادائیں
محبت سے برہم خوشامد سے ناخوش، دعاؤں پہ غصہ وفا پر جفائیں

نہ اپنے ہوئے وہ نہ اپنا ہوا دل یہی ہے زندگی محبت کا حاصل
نہ کرتے محبت نہ آتی مصیبت نہ ہوتی خطا یہ، نہ ملتی سزائیں

تمنائے دیدارِ جلوہ تو برحق مگر تاب دیدارِ جلوہ ہے کس کو
کہیں طور والا نہ مضمون ہو پھر، سمجھ سوچ کر آپ جلوہ دکھائیں
ریاض اس گھڑی لطف آئے کہ جس دم تجھے دیکھ کر غرقِ بحرِ ندامت
یہ آواز دے خود بخود رحمتِ حق کہ جا، بخش دیں ہم نے تیری خطائیں

غزل

(جناب عطا محمد صاحب شعلہ)

مزاجِ عشق کو راس آ سکی نہ خلوت بھی — عجیب چیز ہے دنیا میں یہ محبت بھی
یہ وحشتِ غمِ دل بھی خبر نہیں کیا ہے — کہ بار ہو کے رہی ہے کبھی تو جلوت بھی
گذر گیا ہے وہ عالم بھی دل پہ الفت میں — کہ آپ اپنے سے پیدا ہوئی ہے نفرت بھی
یہ بوئے بادۂ امید، یہ سہانی فضا — کہ جیسے حسن میں ڈوبی ہوئی ہے فطرت بھی
وہ وقت آ کے پڑا ہے کہ بس خدا کی پناہ — ہے تجھ سے چھوٹنے کی خواہش بھی تیری حسرت بھی

کدھر سے آئی شمیمِ خیالِ دوست کہ ہے
خزاں گزیدہ دلوں کو گمانِ نکہت بھی

قطعہ

کیفِ وصال

(جناب قابل گلاوٹھوی)

شامِ وعدہ ہے دل دھڑکتے ہیں — ماہ و انجم پلک جھپکتے ہیں
گیسوئے مشک بو کی چھاؤں میں — جامِ حسن و وفا کھنکتے ہیں

غزل

(حضرت محمد مضطفٰے بریلوی)

وحشتِ دل بڑھ گئی زلفِ پریشاں دیکھکر — آبلے رونے لگے خارِ بیاباں دیکھکر
چاک داماں دیکھکر چاکِ گریباں دیکھکر — اور وحشت بڑھ گئی وحشت کا ساماں دیکھکر
حشر میں کیونکر کروں گا شکوۂ جور و جفا — شرم آئیگی مجھے آن کو پشیماں دیکھکر
آپ کے روئے منور میں تو حیرانی نہ تھی — رہ گیا کس چیز کو آئینہ حیراں دیکھکر
چھوٹے چھوٹے گیسوؤں کو بنگیا بیدار مغز — جاگ اٹھی قسمت مری خوابِ پریشاں دیکھکر

بھولے بھٹکوں کی بھلا وہ کیا کرینگے رہبری
خضر خود چکر میں ہیں اپنا بیاباں دیکھکر

قطعات

(حضرت اثر)

جیسے کوئی فرشتہ حریم سماس میں — چھیڑے صبیح نغمہ سنہری رباب پر
وہ زیر و بم کہ نرم تموّج کہیں جسے — ہلکی پھوار نور کی جامِ شراب پر
بالکل یہی تصوّرِ جاناں کی شان ہے — جس وقت رات ہوتی ہے پورے شباب پر

کہا مجھ سے کچھ اور اُسے کچھ سوجھائی — چلی جا رہی ہے لگائی بجھائی
یہی ہیں جو باتیں اور ایسی ہی گھاتیں — نہ میں تیرا بھائی، نہ تو میرا بھائی

غزل

(حضرت صمصام مرزا صاحب فیروز دہلوی)

نگہہ دل نشیں کو دیکھ لیا ـــ اس مکاں کے مکیں کو دیکھ لیا
آستاں پر جبیں کو دیکھ لیا ـــ آسماں پر زمیں کو دیکھ لیا
ایک نگہ غلط میں کیا اس نے ـــ میرے عین الیقیں کو دیکھ لیا
چشم و لب کی جو سازشیں دیکھیں ـــ زہر میں انگبیں کو دیکھ لیا
ہم نے آخر قضا سے ہاں کر لی ـــ آپ کی جب نہیں کو دیکھ لیا

جس نے فیروز کی زیارت کی
اس نے شعر آفریں کو دیکھ لیا

رباعیات

(نواب مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر لکھنوی)

بے لطف نہیں ذوق "خمار آلودہ" ـــ رہنے دے رُخِ سحر غبار آلودہ
گھبرا نہیں خورشید بھی طالع ہوگا ـــ اے منتظر صبح "بہار آلودہ"

کرنیں بادل میں جیسے کھو جاتی ہیں ـــ لیکن اُسے نور میں ڈبو جاتی ہیں
دل دردِ محبت سے چھلک اٹھتا ہے ـــ اور جتنی کدورتیں ہیں دھو جاتی ہیں

غزل

(حضرت زیبا علیگ)

موجود ہر مقام پہ ہیں، اور کہیں نہیں — جو ایسے لاپتہ ہوں پتہ اُن کا پائے کون؟
ذوقِ نظر کی اپنے پرستش روا نہیں — یوں اُن کے آستاں پہ جبیں آزمائے کون؟
ٹھکرا چکی ہیں جس کو دو عالم کی وسعتیں — اب دیکھنا یہ ہے اسے اپنا بنائے کون؟
ہے منتظر بہار بھی کلیاں بھی دم بخود — جبتک وہ مسکرا نہ چکیں مسکرائے کون؟
شاید ہیں چشمِ یار کی یہ سحر ہی کرامتیں — مستِ شراب کون ہو اور لڑکھڑائے کون؟

زیبا دیارِ دوست بھی کعبے سے کم نہیں
سولنکیوں[1] کے دیس میں اب آ کے جائے کون؟

قطعات

(حضرت اثر)

سب مذاہب کو چھوڑ کر میں نے — "مسلکِ شمع" اختیار کیا
کھل گیا رازِ ہستیٔ مبہم — اپنے قدموں پہ سر نثار کیا

بہت یاد آتا ہے اب وہ زمانہ — کہ تھا ہم میں اور تم میں اخلاص باہم
جو اس قول میں رمز ہے کاش سمجھو — جدا ہم سے تم کیا؟ جدا تم سے کیا ہم؟

---

[1] راجپوتوں کا قبیلہ جو اس ضلع میں آباد ہے۔ (شجاع احمد زیبا)

غزل

(حضرت زیبا علیگ)

اے دوست دلِ طور ابھی خاک نہیں ہے — شاید کہ تجلّی تری بے باک نہیں ہے
مِل جائے گی ڈھونڈھ اپنے نہاں خانۂ دل میں — جو بات پسِ پردۂ افلاک نہیں ہے
یہ نشترِ صہبائے حقیقت نے بتایا — کچھ دور رگِ جاں سے رگِ تاک نہیں ہے
پاکیزگیٔ نفس کے بیکار ہیں دعوے — دل داغِ تمنّا سے اگر پاک نہیں ہے
وہ اور تبسّم دلِ صد پارہ پہ میرے — جس کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے[1]

صیّاد یہی خاکِ نشیمن سے اُٹھی ہے
اک برق کہ پروردۂ افلاک نہیں ہے

قطعہ

(حضرت آثر)

خودی کیسی آئے گا اک وقت ایسا — محبت کو بھی بھول جانا پڑے گا
نئی گردشیں ہیں نیا ہے زمانہ — نئی قوتوں کو جگانا پڑے گا

ہے یاد اچھی طرح بندہ پرور — "نہیں ہے خدا تو بنانا پڑے گا"

---

[1] علامہ اقبال کے حسب ذیل شعر کے فیضان کے اعتراف کے ساتھ ؎
کیا صوفی و مُلّا کو خبر میرے جنوں کی * ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے ۔ (شجاع احمد زیبا)

۲۵

قصیدہ

(خراجِ عقیدت۔ مبتدی کی طرف سے منتہی کی خدمت میں)

"سید حامد"

(۱)

صبح کے وقت روشنی بیدار — ہوتی ہے اور زندگی گلزار
سبزۂ تر پہ اوس کے قطرے — جیسے مخمل پہ گوہرِ شہوار
قلب ہیں جن کی خرمی سے سرور — آنکھیں جن کی تازگی سے خمار
جلوہ گر ان میں اشعۂ خورشید — ہار میں جیسے منعکس رخسار
کس کے نزدیک یہ حسین نہیں؟ — کون ان سے نہیں ہے دوچار؟

(۲)

ان سے گیسوؤں کی خاتم ہیں — جلوہ گر ہے نگینِ روئے نگار
سارے اعضا ڈھلے ہیں سانچے میں — ہیں قیامت لئے ہوئے اطوار
ان کی رعنائیاں کنیز تلید ہیں — ہے اداؤں کا باندیوں میں شمار
حشر ساماں ہیں آہوئی آنکھیں — فتنہ انگیز شوخیٔ رفتار
کون پاتا نہیں کشش ان میں؟ — کون کرتا نہیں ہے دل سے پیار؟

(۳)

برف گرتی ہے جب پہاڑوں پر — جیسے بادل سے پڑ رہی ہو پھوار
سر چھپاتے ہیں جب وحوش و طیور — سر اٹھاتے ہیں شان سے کہسار
ان کی عظمت کو چار چاند لگے — ہو گیا سربلند ان کا حصار

ہو گئے آسمان سے پیوست ہے نظر کو مشاہدہ دشوار
ان کی عظمت میں ہے کلام کسے؟ ان کی سطوت سے ہے کسے انکار؟

(۴)

فصلِ سرما ہو زمہریر نشاں زرد ہوں برگ جس طرح دینار
زمہریر کی زیادتی اتنی چھپ گئے ہوں زمین کے آثار
جسم میں منجمد ہوا ہو لہو کاٹ دیں تو بہے نہ خون کی دھار
نکلے اس وقت یک بیک خورشید گرم ہو جائے دھوپ کا بازار
کوئی تعریف کیا کرے اس کی معترف اس کے مفلس و زردار

(۵)

بہ رہی ہے دو آب میں گنگا گامزن جیسے کارواں سالار
ماتحت اس کی ندیاں ساری اس کی محکوم ہیں صغار و کبار
جا رہی ہے بہ صد شکوہ و حشم جادہ پیما بہ افتخار و وقار
فیض سے اس کے کھیتیاں شاداب لطف سے اس کے رونقِ امصار
ہیں پرستار ہر جگہ اس کے جن کی حد ہے کوئی نہ کوئی شمار

(۶)

ہے چمن میں نکھار کا عالم بلکہ عالم پہ چھا رہی ہے بہار
کوئی ذرہ نہیں جو سبز نہ ہو سبز پوشوں نے باندھ لی ہے قطار
پھول سے باغبانِ قدرت نے ہیں بنائے عجیب نقش و نگار
چپہ چپہ سے ہے نمو کا وفور ذرہ ذرہ سے ہے زمیں گلکار

کون ہے جس کو ہو نہ اس کی خبر؟ — خواہ سوتا ہو خواہ ہو بیدار

(۷)

کون پہونچے گا اس کی ہیبت کو؟ — سینہ زن گر ہو قلزم زخّار
اس کی ہر موج موت کا اعلان — اس کا ہر قطرہ مائل پیکار
جھاگ کیا ہیں کفن بدوش ہے یم — تہ میں کشتوں سے لگ گیا انبار
حملہ آور ہوں جیسے فیل سپید — جیسے کرتے پہاڑ ہوں یلغار
اس کی ہیبت سے ہیں تسلیم؟ — ڈر کے ہیں مانگتے البشر زنہار

(۸)

آگیا برشگال کا موسم — آسماں پر ہے ابر گوہر بار
آہ خورشید کا حسین غروب — ابر میں رنگ ہے شفق میں شرار
جاتے جاتے بھی اسکی کرنوں سے — ہو گیا ابر مطلع انوار
ہو گئی ہیں گھٹائیں بوقلموں — بلکہ رنگین ہے فضا میں غبار
کوئی منکر نہیں زمانہ میں — پھر کوئی کس لئے کرے اصرار؟

(۹)

مایۂ ناز ماہر تنقید — رام بابو، مورّخ ادوار
حامل علم، صاحب تاریخ — راقم نثر، ناقد اشعار
کامل فن، و فاضل تحقیق — قاطع جہل و دافع ادبار
ڈاکٹر کی انھیں ملی ہے سند — ضو کا خورشید کی ہوا اقرار
آخرش اس سے مدعا کیا ہے؟ — کہ نہیں ان کو حاجت اظہار

(۱۰)

جس طرح دہر پر ہویدا ہیں
رودِ گنگا و قلزم و کہسار
جس طرح ہیں جہاں کو تسلیم
مہر کا فیض خرمیِ بہار
جس طرح ابر ہائے رنگا رنگ
مہر کی ضو کے ہیں علمبردار
جس طرح صبح کا سماں حامد
ہے لطافت کے واسطے معیار
جس طرح کھینچتی ہے عالم کو
کششِ زلفِ مشکبوئے نگار
ہے اسی طرح کشورِ تحقیق
ان کی طبعِ رسا کا باجگزار

قطعات

(حضرت سید جیلانی)

انساں کے اک گوشے میں آباد مقدس بستی ہے
ہر رنج جہاں اک راحت ہے ہر عقل جہاں اک مستی ہے
تعمیر کا خارِ فکر نہیں تخریب کا بالکل ذکر نہیں
خود نشو و نما کی فطرت ہے ہر سمت حیات برستی ہے

⁂

نسبت بخیر و ترک تعلق ہے حسن سے
ساحل کے پاس موج بلا موج ہی نہیں
مچھلی سے سیکھ نسبتِ کل کا مآلِ خیر
دریا کی تہ میں رہتی ہے اور ڈوبتی نہیں

⁂

دیوانگیِ الفت کو ضبط نہیں ہوتی
لیکن کسی صورت میں بے ربط نہیں ہوتی
اک روز کہا میں نے دارِ غمِ زنداں سے
دیوانوں کی نگرانی کیا خبط نہیں ہوتی

غزل

(حضرت ممتاز الدولہ نواب مکرم علیخانصاحب مکرمؔ)

سحر کی ساعتوں میں مسکرا لے کون آتا ہے
جہانِ رنگ و بو کو جگمگانے کون آتا ہے

مجھے وہ سجدہ کرتے دیکھکر دربان کہتے ہیں
یہ میرے در پہ قسمت آزمانے کون آتا ہے

سمجھ لیجے بس اک شبنم کو غمخوار وفا ورنہ
ہماری قبر پہ آنسو بہانے کون آتا ہے

تری چشم کرم ساقی، مجھے مجبور کرتی ہے
کسی کی بزم میں پینے پلانے کون آتا ہے

گذر جاتا ہوں اکثر اے مکرمؔ حدِ ہستی سے
تصور میں مرے اللہ جانے کون آتا ہے

*

رباعیات

(حضرت سید رحیلانی)

ظلمات حوادث کی بلا خیز یہ رو
لمعاتِ معارف کی لقا ریز یہ ضو
ہنگامہ ہستی کا یہ سب نور و ظلم
آئینہ قدرت کا ہے آذری پرتو

*

اس جینے سے بیزار خداوندا ہوں
فکراتِ معاش میں پراگندہ ہوں
کیا اس لئے ہوں چشم کرم سے محروم
دنیائے خرابات کا اک بندہ ہوں

*

غزل

(نواب زادہ سید قاسم حسین شمیم)

بیٹھا ہوں اک ہلاکِ ستم دل لئے ہوئے — اپنے تمام عشق کا حاصل لئے ہوئے
مغرورِ حسن میری طرف بھی ہو اک نظر — حاضر ہوا ہوں درد بھرا دل لئے ہوئے
تیرِ نگاہِ یار ادھر پھر ہے ملتفت — عرصہ ہوا تھا جائزۂ دل لئے ہوئے

قاسم کو کر دے وقفِ ستم ہائے ناروا
لیکن کرم کی شان کو قائل لئے ہوئے

قطعات

(حضرت فیض جھنجانوی)

شرابِ نغمہ کی بارشوں میں جوانی بے پناہ تیری
ہنسی اڑائے نہ جانے کس کس گنہ کی چشمِ سیاہ تیری
کسی کی تشنہ نگاہیوں میں ذرا سا رنگِ سوال پا کر
یہ کون ختم ہو کے رہ گیا ہے ہلالِ نو یا نگاہ تیری

صدائے ناقوس بات تیری، اذانِ کعبہ پیام تیرا
مقامِ دیر و حرم سے کتنا بلند ہے ہر مقام تیرا
وہ دل ابھی تک جو مطمئن تھا گذارشِ آرزو پہ اپنی
تبسمِ زیرِ لب سے سمجھا کہ سخت ہے انتقام تیرا

غزل

(حضرت کیف مرادآبادی)

ہجومِ غم میں جب انساں سے ضبطِ غم نہیں ہوتا
وہ اسرارِ حقیقت کا کبھی محرم نہیں ہوتا
یہ عالم کون دیکھے زندگی پر موت طاری ہے
لرز جاتا ہوں میں جب دل کو کوئی غم نہیں ہوتا
وہاں بھی عشق کی دیوانگی ہی ساتھ دیتی ہے
جہاں کوئی شریکِ قسمتِ آدم نہیں ہوتا
شبِ فرقت کو امیدِ سحر میں کاٹنے والے
خیالِ قربتِ ساحل سے طوفاں کم نہیں ہوتا
جنونِ عشق کی یہ خود سری بھی ہم نے دیکھی ہے
کہ دل کا خون ہو جاتا ہے اور سر خم نہیں ہوتا
محبت اِک پناہِ بیکساں ہے کیفؔ دنیا میں
ہزاروں غم ستاتے ہیں جب اُن کا غم نہیں ہوتا

قطعہ

(حضرت فیض جھنجھانوی)

نگاہِ آدم شہید تیری دلِ فرشتہ ہلاک تیرا
طلوعِ صد آفتابِ محشر ہی چہرۂ تابناک تیرا
بھلا یہ خانہ خرابیوں کی ادائے رنگیں کہاں سے آتی
زمانے کے انقلاب میں ہے ضرور کچھ اشتراک تیرا

حسنِ جذبات

(حضرت مضطر گکھڑوی)

کوئی عالم ہو میرا جوشِ گریہ کم نہیں ہوتا
علیحدہ آستیں سے دیدۂ پُرنم نہیں ہوتا

ترس آتا نہیں احساسِ درد و غم نہیں ہوتا
وہ نامحرم مرے جذبات سے محرم نہیں ہوتا

وہی آہیں، وہی نالے، وہی آشفتہ سامانی
مجھے تو اعتبارِ انقلابِ غم نہیں ہوتا

نہیں معلوم کیا ہو اضطرابِ دل کا مستقبل
ترے جورِ مسلسل سے تڑپنا کم نہیں ہوتا

میں تکمیلِ محبت کر تو لوں، لیکن یہ مشکل ہے
تغافل کم نہیں ہوتا ستم پیہم نہیں ہوتا

مقابل ہو کے جھک جاتی ہیں وہ معصوم سی نظریں
لحاظِ عشق آخر حسن کو بھی کم نہیں ہوتا

بہت ہی مختلف ہیں آگ اور پانی کی تاثیریں
بہم ربطِ مزاجِ شعلہ و شبنم نہیں ہوتا

شعاعِ مہ کے دامن میں قطرے جذب ہوتے ہیں
گلوں کو اعتبارِ گریۂ شبنم نہیں ہوتا

ہوا اچھا جو کچھ بھی نظروں سے آغازِ محبت میں
اب ایسا ربطِ حسن و عشق میں باہم نہیں ہوتا

امیدِ التفاتِ دوست ہے عصرِ تغافل میں
اسی باعث نظامِ زندگی برہم نہیں ہوتا

ہجومِ یاس و غم سے اور وفورِ درد سے مضطر
فراقِ دوست میں رونا تڑپنا کم نہیں ہوتا

قطعہ

(حضرت فیض فیضی جالزی)

شباب رنگینی ستم ہے گلشن لازوال تیرا
یہ نرگس لاجواب تیری یہ لالہ بے مثال تیرا

کفِ حنائی سے میرا زانو عجیب انداز سے دبا کر
یہ کون پہلو سے مسکراتا اٹھا ہے گویا خیال تیرا

شریکِ حیات کے انتظار میں

(سلیمؔ حامد)

عجیب بات ہے کہ تمھیں آنکھ سے نہیں دیکھا
تمھارے گرد میں دن رات رقص کرتا ہوں

نقوش کھینچے ہیں تخئیل کے مصوّر نے
انھیں میں با دلِ بیتاب رنگ بھرتا ہوں

کشیدہ قامت و زہرہ جبیں حسیں طلعت
نظر فریب چمن زار سے گذرتا ہوں

تراشتا ہوں بہت سے جمال کے پیکر
سنوارتا ہوں انھیں اور خود سنورتا ہوں

ہنوز نام سے بھی آشنا نہیں ہوں میں
چلا جہاں سے تصوّر میں تھا وہیں ہوں میں

حسیں ہو، شیریں ہو، چھوٹا سا ہو، انوکھا ہو
اسی تلاش میں اکثر میں نام لیتا ہوں

کسی کے گیسوئے پابوس کے تصوّر میں
سیاہیِ شبِ یلدا سے کام لیتا ہوں

شفق لباس صباحت سحر کے دامن سے
برائے عارضِ گلرنگ دام لیتا ہوں

حجاب، غمزہ، تلوّن، شرارت، الھڑپن
شباب کے لئے اذنِ دوام لیتا ہوں

مری حیات نہیں انتظار ہے گویا
مرے سکوت سے یہ آشکار ہے گویا

کبھی پڑے گی نظر انتخاب کی مجھ پر
مرے خیال سے تم دل میں مسکراؤ گی

مگر حجاب کا الفت کو پیرہن دے کر
جہاں بھی ذکر ہوا پیچ و تاب کھاؤ گی

ذرا بھی چھیڑ دیا گر کسی سہیلی نے
تو روٹھ جاؤ گی، بگڑو گی، منہ بناؤ گی

نظر بچا کے مجھے دیکھ لو گی چلمن سے
مگر یہ راز کسی کو نہیں بتاؤ گی

تمھارے دل میں یہ بے لوث آرزو ہوگی
"نگاہ بھر کے انھیں کاش دیکھ تو لیتی"

وہ عقدِ زیست کی تکمیل وہ سرودِ حیات — افقِ خیال کا حدِّ نظر جسے کہیے
وہ دن بھی آئے کہ باہم دِگر میسّر ہو — وہ اتحاد کہ شیر و شکر جسے کہیے
وہ ازدواجِ خیالات و کیفیات و عمل — وہ ارتباطِ حیاتِ دگر جسے کہیے
حیا، نشاط، توجہ، عتاب، لطف، غرور — وہ اختلاطِ جہانِ اثر جسے کہیے

کوئی چھپے گا پکڑ لے گا دوڑ کر کوئی
کسی کے ناز اٹھائے گا بیشتر کوئی

میں گھر میں آؤں گا دفتر سے جب تھکا ہارا — خوش آمدید کہو گی مجھے تبسّم سے
تفکّرات سے مل جائے گی نجات مجھے — تمھارے حوصلہ زا جاں فزا تکلّم سے
کوئی فسانہ سناؤ گی شوق سے پڑھ کر — بھلاؤ گی کبھی غم دلربا ترنّم سے
تمھیں سناؤں گا میں اپنی داستاں ساری — کہوں گا دن میں جو گزری ہے مُو بمُو تم سے

کہیں صلاح ملے گی۔ ملے گی داد کہیں
نگاہِ ژرف کہیں حسنِ اعتقاد کہیں

مجھے یقیں ہے، مجھے اعتماد ہے تم پہ — کرو گی مجھ سے فزوں میرے اقربا کا خیال
تمھاری ماں وہ میری لائقِ پرستش ماں — تو ضعیف ہیں اعضا اسیرِ اضمحلال
شعار اپنا بنا لو گی ان کی خدمت کو — ہنر یہی ہے تمھارا یہی تمھارا کمال
میں شیر خوار تھا، ان کو تمھارا ارماں تھا — نہاں تھا تم عدم میں تمھارا حسن و جمال
یہی خیال یہی انتظار تھا اکثر — کہ گھر میں آئے کوئی ماہوش دلہن بن کر

کیا کریں گے کبھی ہم مطالعہ باہم
بہم اٹھائیں گے یک رنگیٔ خیال کا لطف

سمجھ گئیں تبسم اگر ہنسیں تو خجل
عجب ہے لطف بہم فخر و انفعال کا لطف

تمہارا طنز سے کہنا "کہ آپ کیا سمجھے"؟
فزوں ہے لطفِ سخن کبھی اس سوال کا لطف

کسی حسیں پہ حسیں شعر منطبق کر کے
نئے سرے سے اٹھاؤں گا عرضِ حال کا لطف

رہیں گے صحبتِ اہلِ کمال میں باہم
نشاطِ روح میں فکرِ مآل میں باہم

سحر کے خوف سے ہے زرد نجومِ شب دیجور
تمھیں اٹھاؤں گا اس وقت خواب نوشیں سے

زباں سے کچھ نہ کہوں گا لبوں سے کہہ دوں گا
کہیں گے جا کے تمہاری جبینِ سیمیں سے

اٹھو گی بسترِ راحت سے لیکے انگڑائی
نظر کرو گی نگاہِ خمار آگیں سے

وہ دلنواز تبسم جو آشنا کر دے
طلوعِ مہر سے پہلے سحر کے آئیں سے

تمھاری آنکھ میں الفت بھی ہے حیا بھی ہے
اک احتجاجِ چشمِ فتنہ زا بھی ہے

نکل چلیں گے سحر آنکھ مل رہی ہوگی
چمک اٹھے گا تمہاری ضیا سے صحنِ چمن

چٹک کے ہو گی کلی التفات کی طالب
سرود بارِ گل التجا سے صحنِ چمن

خرامِ ناز سے لیگی سبق نسیمِ سحر
ہنسے گا خاص تمہاری ادا سے صحنِ چمن

سجانا سیکھ نہ جائے محافلِ رنگیں
صبح خوشِ گلِ رنگیں قبا سے صحنِ چمن

جبینِ خاک پہ ذوقِ نمو سے ہے تحریر
خنک لطیف ہوا ہو رہی ہے دامنگیر

کھلکھل تمہاری گلہ بن کے لب پہ آئے گی
کنارِ آبِ رواں جا کے بیٹھ جائیں گے

کبھی مذاق کریں گے اُچھال کر پانی — کبھی ہنسیں گے کبھی قہقہے لگائیں گے
کیاریوں میں کبھی چھیڑ دینگے پھولوں کو — روش پہ سبزۂ خوابیدہ کو جگائیں گے
وفورِ شوق میں جب چہچہائیں گے طائر — زبانِ حال سے اُلفت کے گیت گائیں گے

پیئیں گے دستِ چمن سے شرابِ رُت کے جام
پڑھیں گے مہرِ بن مو سے بہار کا پیغام

کبھی وفورِ محبت میں بدگماں ہو کر — ذرا بھی روٹھ گئیں تو مناؤں گا کیونکر؟
حسین نگاہ میں شکوہ لبوں پہ خاموشی — شکن جبیں پہ الٰہی ہنساؤں گا کیونکر؟
تمہاری تیز نگاہی کی تاب ہے کس کو؟ — تمہیں یہ دور خرامی بھلاؤں گا کیونکر؟
ہر احتشام تبسم میں ہے نہاں فریاد — تمہیں یقینِ محبت دلاؤں گا کیونکر؟

نگاہِ قہر میں ہے ایک جستجو پنہاں
سکوت میں ہے تکلم کی آرزو پنہاں

شرارتوں سے گلستانِ حسن ہے شاداب — جمالِ دوست کا یہ فتنہ خیز پہلو ہے
مزاجِ ناز تبسم، لطیف، استہزا — یہ چھپ کے چھپا اُٹھا ظرافت نہیں ہے جادو ہے
ابھی تو لہر شرارت کی تھی زنخداں میں — ابھی لبوں پہ ابھی زیرِ چشم آنسو ہے
مجھے نہ دیجئے تعلیم منہ چڑانے کی — یہ زیب آپ کو دیتی ہے آپ کی خو ہے

نہیں تو روٹھ گئیں روٹھ کر بنانے لگیں
مجھے فسردہ جو دیکھا تو مسکرانے لگیں

میری حیات کی تنظیم بن کے آجاؤ — یہ منتشر ہے زبوں حال ہے پریشاں ہے
یہ راہ دیکھ رہی ہے تمہاری مدت سے — کسی حسین تصور سے گُل بداماں ہے

مجھے جہانِ عمل سے نہیں شناسائی — نہ کچھ سلیقۂ آدابِ بزمِ دوراں ہے
مجھے سکھاؤ تم آکر بڑھاؤ دل میرا — تمہارے پاس میرے اس مرض کا درماں ہے

نئی امنگ نیا جوش دو مجھے آکر
نئی نگاہ نئی روح اور نیا پیکر

مجھے جھجک سے بچاؤ، بچاؤ طفلی سے — یہ اعتقاد مری شخصیت کا دشمن ہے
یہی خیال مجھے روکتا ہے بڑھنے سے — یہ اشتباہ بلوغ نظر کا رہزن ہے
کیا ہے اس نے میرے اعتماد کو گھائل — میرے شباب کا یہ دلفریب مدفن ہے
تم اپنے گھر کو سنبھالو ملے نجات مجھے — تفکرات کی لو سے یہ خانہ گلخن ہے

ہیں خندہ زن مری تنہائی پر در و دیوار
یہ سقف کا ہے اشارہ یہ فرش کی گفتار

رباعیات

(حضرت [illegible] جلالی)

ہر عزم میں حکمِ بوتراب آجائے — مغرب سے بھی اٹھ کے آفتاب آجائے
اے مشتِ غبار شرط ہے اتنی مگر — اس فطرتِ دل میں انقلاب آجائے

مزدور کی خوش ہے تو گراں جانی سے — مجبور جفا کی تہی دامانی سے
اے خواجہ دل بجبر لرزتا ہے — ڈوبے ہوئے نظروں کی پشیمانی سے

بغاوت

(حضرت فیض جھنجھانوی)

اگر ہم نغمۂ حبِّ وطن گائیں بغاوت ہے
زباں پر شکوۂ جور و جفا لائیں بغاوت ہے

دلِ اندوہگیں اور نالۂ بیباک کیا معنی
ذرا آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئیں بغاوت ہے

شکارِ غمزۂ خوں ریز ہو کر ہم سرِ مقتل
اگر سینے پہ ہنس کر گولیاں کھائیں بغاوت ہے

کسی مظلوم کا افسانۂ ناگفتہ بہ سنکر
اگر ہم قدرتاً بے چین ہو جائیں بغاوت ہے

اگر شیخ و برہمن کو ہم آہنگِ وطن کر کے
کوئی بھولی ہوئی تاریخ دہرائیں بغاوت ہے

اگر دامن بچا کر ہم فضائے خار ساماں سے
نسیمِ صبح کی صورت گذر جائیں بغاوت ہے

وہ دستورِ جہانگیری وہ آئینِ ہمایونی
اگر اب بھول کر بھی یاد آ جائیں بغاوت ہے

جبینِ لالہ و گل سے شرارِ رنگ و بو لیکر
اگر ہم سینۂ شبنم کو گرمائیں بغاوت ہے

غرض وہ بجلیاں بھی ہم پہ برسائیں تو برسائیں
اگر ہم ان کو داغِ دل بھی دکھلائیں بغاوت ہے

رباعی

(حضرت شوخ برنی)

مجھ کو مری حیاتِ جاودانی دیدے
ہستی سے بلند زندگانی دیدے
اک خاص نگاہ سے بنا دے غافل
فطرت کا جمالِ غیر فانی دیدے

غزل

(حضرت کلیم برنی)

بیگانگیٔ دل کا فسانہ سنائے کون؟
اپنی ہنسی خود اپنی زباں سے اڑائے کون؟

تیرے خیالِ ناز کو دل سے بھلائے کون؟
امید و آرزو کا خزانہ لٹائے کون؟

مانا حضورِ ناز میں ہے اذنِ گفتگو
لیکن کھلیں نہ لب تو غمِ دل سنائے کون؟

تیرا بیاں شریک نہ میرا بیاں شریک
افسانۂ بہار کو رنگیں بنائے کون؟

نقش و نگارِ پردۂ دوری میں ہیں تجلیاں
تیری حریمِ ناز میں دل لیکے آئے کون؟

ساقی کو کچھ غرض ہے نہ مستوں کو ہوش ہے
زاہد کو رازِ بادہ پرستی بتائے کون؟

اُن کی نگاہِ ناز نہ چاہے تو اے کلیم
کانٹے کو پھول، پھول کو گلشن بنائے کون؟

قطعات

(سید حامد)

دے رہا ہے یہ نیا چاند پیامِ زرّیں
انکساری کیلئے کسرِ نظر شرط نہیں
ہوئے خم یہ منظر سے ٹھ نئے رفعت سے
ہو گئے اب زمیں بوس تو ہیں آپ کہیں

نام شاید اسی کا ہے اُلفت
جب کسی کام کا خیال کیا
وہ اسے کس نظر سے دیکھیں گے
دل نے پہلے ہی یہ سوال کیا

غزل

(حضرت سید سجاد حسین رزمی شکارپوری)

دل مرکزِ نشاط سہی، مسکرائے کون؟
تیرے بغیر بزمِ تمنا سجائے کون؟

دنیا کو اپنے غم کی کہانی سنائے کون؟
یعنی حقیقتوں کو فسانہ بنائے کون؟

ہاں یاد ہیں کشاکشِ الفت کی تلخیاں
لیکن ترے خیال کو دل سے بھلائے کون؟

تیرا خیال، تیری تمنا، تیرا جنوں
دیکھیں تو آج دل کی لگی کو بجھائے کون؟

مانا بہت اٹھائے ہیں رزمی ستم مگر
ناکامیِ حیات پہ آنسو بہائے کون؟

رباعی

(حضرت بدر جلالی)

یہ پردۂ خاص و عام اٹھا لے ساقی
قیدِ سحر و شام اٹھا لے ساقی
اس فطرتِ مے پہ سر الجھن ہی گراں
یہ رسمِ سبو و جام اٹھا لے ساقی

قطعہ

(حضرت مضطر لکوڑوی)

خوش نما ہے دل کہ بہ انداز حسیں جام بکف
ساقیِ بزم نگاہوں کے مقابل آیا
نزد میخانہ لے آئی کششِ حسنِ خیال
ایک آوارۂ منزل سرِ منزل آیا

غزل

(حضرت بشیر درّانی جہانگیر آبادی)

حسینوں کی تمنّا جس قدر کم ہوتی جاتی ہے
محبت ہے کہ خود حسنِ مجسّم ہوتی جاتی ہے

کسی کی کم سنی میں شانِ محشر ڈھونڈھنے والے
مبارک ہو قیامت قدِ آدم ہوتی جاتی ہے

وہ میری جس قدر تسکینِ خاطر کرتے جاتے ہیں
طبیعت اور پُرغم اور پُرغم ہوتی جاتی ہے

بشیر اب تو حجابِ حسن جتنے بڑھتے جاتے ہیں
نگاہِ شوق اشکِ ساغرِ جم ہوتی جاتی ہے

رباعی

(حضرت کیف مرادآبادی)

جب ہم سے کبھی پیارات سمٹ جاتی ہے
کچھ پیکرِ کائنات سمٹ جاتی ہے
اک جانِ نزار کو یاد کر کے
جانے کہاں میری رات کٹ جاتی ہے

غزل

(جناب طاہر بریلوی)

کوئی رخصت ہو رہا ہے صبح کا ہنگام ہے
زندگی آ تجھ کو رو لوں آج تیری شام ہے

دوست کے زانو پہ سر ہے نزع کا ہنگام ہے
عاشقی کی موت کا کتنا حسیں انجام ہے

پوچھتے ہیں وہ مری حالت کچھ اس انداز سے
مجھ کو یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ اب آرام ہے

اک تمھاری یاد میں سب کچھ بھلا بیٹھا ہوں میں
اب تمھاری یاد ہے آگے خدا کا نام ہے

ڈگمگائے جا رہے ہیں میری توبہ کے قدم
کیا کسی کے دستِ رنگیں میں چھلکتا جام ہے

میں وہ تیرہ بخت ہوں طاہر کہ میرے واسطے
جلوۂ صبحِ چمن گویا سوادِ شام ہے

غزلؔ

(جناب بسملؔ شاہجہانپوری)

سبو بہ دوش مینا در بغل مستانہ وار آئے
بقدرِ ظرف پی کر میکدہ سے بادہ خوار آئے

خدا معلوم موسیٰ طور سے کیوں بیقرار آئے
میری منزل میں ایسے مرحلے تو بیشمار آئے

سکوں اندوز پہونچے یا پریشاں روزگار آئے
بری گذری کہ اچھی - انکی محفل میں گذار آئے

وہ ساقی جسکی آنکھوں پر فرشتوں کو بھی پیار آئے
اگر نظریں اٹھا دے چشمِ فطرت میں خمار آئے

درِ میخانہ وا ہے آئے واعظ لاکھ بار آئے
اگر کچھ اور اس کے دل میں ہے تو ہوشیار آئے

پیامِ موت ہی بنکر پیامِ وصلِ یار آئے
کسی صورت تو میری بیقراری کو قرار آئے

خود استقبال کو جسکے مشیت بیقرار آئے
وہ سجدہ بھی درِ پیرِ مغاں پر ہم گذار آئے

بحدِ شوق لطفِ ہستیٔ ناپائیدار آئے
مجھے وہ زندگی دے موت کو بھی جس پہ پیار آئے

ہے برقِ آشنا پیکر وہ رندِ بادہ خوار آئے
ذرا دامن بچا کر گردشِ لیل و نہار آئے

طلوعِ جام پر اے دل کوئی بے ساختہ سجدہ
وہ سجدہ جس کو لینے رحمتِ پروردگار آئے

اذانِ کعبہ یا ناقوسِ بتخانہ ہوا بسملؔ
ہم اُن کے آستانے پر ہر اک نے میں پکار آئے

قطعہ

(حضرت مضطرؔ ککوڑوی)

انقلاباتِ زمانہ پہ نظر ہے میری
وسعتِ عالمِ امکاں بھی خیالات میں ہے

صورتِ یاس میں ہے جلوہ نمائے حیات
عکسِ ہستی مرے آئینۂ جذبات میں ہے

غزل

(حضرت شمیم سہروردی)

کبھی دِل سوز وسازِ عشق کا محرم نہیں ہوتا
بُرا ہوتا اگر میں مبتلائے غم نہیں ہوتا

شفق خونبار شبنم اشک افشاں اور صبا مضطر
بہارِ موسمِ گُل کا کہاں ماتم نہیں ہوتا

کسی کی یاد آکر شامِ ہجراں یوں رُلاتی ہے
کہ بادل بھی حریفِ دیدۂ پُرنم نہیں ہوتا

سرِ محفل جو افشا کر کے رکھدے سوزِ اُلفت کو
وہ رشکِ آتشیں بھی شاہکارِ غم نہیں ہوتا

ہر اک ناکامیابی زینۂ صد کامیابی ہے
وقارِ زندگی ناکامیوں سے کم نہیں ہوتا

حدیثِ ناتمامِ شوق لب پر آکے رُک جائے
دمِ آخر قیامت سے وہ لمحہ کم نہیں ہوتا

شبِ غم وہ شبِ مہتاب کا پُرکیف نظارہ
نہ جانے کیوں سکوں بخشِ دِلِ پُرغم نہیں ہوتا

سفینہ آرزو کا ڈوبنے دے ڈوب جانے دے
ٹھہر اے ناخدا آب زورِ طوفاں کم نہیں ہوتا

شمیمِ خستہ دیکھی کس مپرسی ہجرِ جاناں میں
کوئی بھی غمگسارِ گریۂ پیہم نہیں ہوتا

رباعی

(حضرت کیف مرادآبادی)

بیدار سرِ صبح شبنم نے مارا
پھولوں کو فریبِ رنگ صبا نے مارا
تاروں کو کیا مذاقِ تابش نے ہلاک
اور کیف کو تیری آرزو نے مارا

۴۵

غزل

(جناب منشی رحمت اللہ رحمت بلند شہری)

دل سے ہمارے داغِ محبت مٹائے کون؟
جس گھر میں تم چراغ جلاؤ بجھائے کون؟

اے حسن روشنی میں ترا حسن لائے کون؟
ہم بھی ہوں بے نیاز تو پردہ اٹھائے کون؟

کم مایۂ حیات پہ آنسو بہائے کون؟
اس جنسِ مستعار پہ موتی لٹائے کون؟

دشمن کو خوف اُن کو حیا، مجھ کو پاسِ عشق
محشر کو فکر ہے کہ قیامت اُٹھائے کون؟

اُن کو وقارِ حسن، ہمیں احترامِ عشق
اب درمیاں سے رسمِ تکلف اُٹھائے کون؟

ممنون درد کا شبِ غم ہوں میں ناتواں
گر یہ نہ ہو تو مجھ کو اُٹھائے بٹھائے کون؟

صیاد ہم اسیروں کا اِک دور تھا کبھی
اب پھول کو ترستے ہیں گلشن دکھائے کون؟

طرفِ جلال اور مقامِ جمال اور
وہ برق ہی گرائیں تو جلوہ دکھائے کون؟

دریائے غم کا میرے تلاطم ہے جوش پر
اے ناخدائے دل مری کشتی چلائے کون؟

شامِ فراق اُن کا تصور بھی مٹ گیا
رحمت مرے خیال کی دنیا بسائے کون؟

رحمت یہی ہے سال بھی اپنا خیال بھی
اس راہزن کو دیکھ کے دل اب غم اٹھائے کون؟

۱ ۹ ۶ ۴ ۶

غزل

(حضرت کیف مرادآبادی)

آنکھ سے گر کر اصلِ سوزِ غم نظر آنے لگے
آفتاب اک قطرۂ شبنم نظر آنے لگے

اک تماشائے نظر بندی ہے ساری کائنات
آئینہ دیکھا انھوں نے ہم نظر آنے لگے

ہم تو جب جانیں سرشکِ عاشقی تیرا کمال
ایک اک قطرے میں بحرِ غم نظر آنے لگے

آتے ہی ساقی نے میخانہ پہ جب ڈالی نگاہ
جتنے بھی ساغر تھے جامِ جم نظر آنے لگے

اب کہاں ہیں کائنات و ماورائے کائنات
تم ابھی چھپ جاؤ کل عالم نظر آنے لگے

یہ عجب تاثیر دیکھی التفاتِ دوست میں
سب نقوشِ زندگی مبہم نظر آنے لگے

ہجر کی شب آنکھ اوٹھانے کی اگر ہو سکت کیفؔ
ہر ستارہ دیدۂ پرنم نظر آنے لگے

رباعی

(حضرت کیف مرادآبادی)

گلشن میں جو نکھرے سب گل و بو ہے
تکرار ہی یہ نظام گلشن کا بجا ہے
عالم میں یہی سب کی ترتیب ہے
فطرت کا نظم سب یہ انداز فطرت ہے



غزل

(حضرت رضوی خیرآبادی)

مجھے طوفانِ غم کا یوں ذرا بھی غم نہیں ہوتا
خدا کا قہر سعیِ ناخدا سے کم نہیں ہوتا

نہ ہو کوئی اگر اب بھی شریکِ غم نہیں ہوتا
دمِ آخر دمِ آدم ہی خود ہمدم نہیں ہوتا

سوا ہوتا ہی یوں تو بارِ عصیاں کم نہیں ہوتا
مرے مرنے پہ اچھا ہے اگر ماتم نہیں ہوتا

وہ کہتے ہیں کہ کیسی بدشگونی تم یہ کرتے ہو
کسی کا خیر مقدم تو بچشمِ نم نہیں ہوتا

کرم کیجے، نہ کیجے پرسشِ احوالِ دل مجھ سے
سوا ہوتا ہے گریہ دل لگی سے کم نہیں ہوتا

مجھے ساقی پلا دیتا ہے مے اکثر یہ کہہ کہہ کر
کوئی مخصوص نا و نوش کا موسم نہیں ہوتا

وہ یہ کہتے ہیں کیوں بے وجہ پرنم کر لی کہتے
کبھی بے وجہ پرنم دیدۂ پرنم نہیں ہوتا

خبر بھی ہے تجھے ساقی! مرا سر پھر مرا سر ہے
بلا ایسا سر مینا لئے بھی خم نہیں ہوتا

سہارا دوسروں کا ڈھونڈھتے رہتے ہیں وہ رضوی
دلوں میں جن کے ایماں، بازوؤں میں دم نہیں ہوتا

قطعہ

(حضرت کیفی مرادآبادی)

کمالِ سوزِ غم اللہ اکبر
یہ میرے حال سے کیا ہو گیا ہے
جہاں پہلے سینہ میں دل تھا
وہاں اک شعلہ سا ٹھہرا ہوا ہے

غزل

(حضرت انورؔ سہسرامی)

محبت میں ہجومِ بیکسی گو کم نہیں ہوتا
مجھے احساسِ دردِ بیکسی تاہم نہیں ہوتا

وفورِ اشک سے بھی میرا دامن نم نہیں ہوتا
یہ گلشن زیرِ بارِ منتِ شبنم نہیں ہوتا

فریبِ حسن کھا کھا کر یہ عالم ہو گیا دل کا
نہیں ہوتا یقینِ وعدۂ محکم نہیں ہوتا

مریضِ عشق اور راہِ شفا دیکھے یہ ناممکن
یہ وہ غم ہے جو با وصفِ تسلی کم نہیں ہوتا

وہی ہے شعلہ سامانی ابھی تک سوزِ پنہاں کی
ترے طوفاں سے کچھ بھی دیدۂ پرنم نہیں ہوتا

نہیں دیتا اجازت گو غرورِ حسن آہوں کی
یہ کس نے کہہ دیا اُن کو ہمارا غم نہیں ہوتا

وہ خود بھی اب سکونِ دل کا ساماں کر نہیں سکتے
مسیحا سے بھی دردِ دل ہمارا کم نہیں ہوتا

وہ غیروں کے مصائب میں بھلا کیا کام آئیگا
جو اپنوں کی مصیبت میں شریکِ غم نہیں ہوتا

نہ پوچھو بیخودیِ عشق کی حالت جہاں والو!
میں جس عالم میں ہوتا ہوں خود یہ عالم نہیں ہوتا

وہ کوئی اور ہوگا جسکو ہے بیمِ بلا انورؔ
شناورِ بحرِ الفت کا غریقِ یم نہیں ہوتا



غزل

(حضرت سرور جمیل)

نظر ٹھہرائی جاتی ہے مگر سر خم نہیں ہوتا
کسی صورت مرا ذوقِ تماشہ کم نہیں ہوتا

نہ جانے کس کے آنسو ہیں جو گل پر مسکراتے ہیں
نظر کو اعتبارِ جلوۂ شبنم نہیں ہوتا

کوئی تاروں سے کہہ دے یوں نہ ٹوٹیں شامِ فرقت میں
میں یہ تو کہہ سکوں کوئی شریکِ غم نہیں ہوتا

نہ دیں وہ اپنے دامن کی ہوا سوزِ محبت کو
بھڑک اٹھتا ہے یہ شعلہ تو پھر مدھم نہیں ہوتا

شریکِ کارواں رہنا مناسب ہے مگر سرور
اسی حد تک کہ ذوقِ جستجو محکم نہیں ہوتا

قطعہ

(حضرت پیامی برنی)

مرے دل کی تمنا بھی یہی ہے
مرے غم کا مداوا بھی یہی ہے
کسی کے واسطے خود کو مٹا دو
محبت کا تقاضا بھی یہی ہے

قطعہ

(حضرت عظمت برنی)

اس عشق میں کیا کیا ہوتا ہے افسوس مجھے معلوم نہیں
گو داد سے میں محروم رہا بیداد سے تو محروم نہیں
اب دل کی بدلنی کچھ نہ رہا اب دل کی حقیقت کچھ بھی نہیں
مانوس نہیں بیگانہ نہیں مسرور نہیں مغموم نہیں

"گنگا"

(جناب اقبال الدین احمد صدیقی)

اے گنگا تیری عظمت آسمانوں سے بلند — التفات و مہر سے تیرے زمانہ بہرہ مند
گلشنِ ہندوستان کی آبیاری تجھ سے ہے — سرزمینِ ہند پر ابرِ بہاری تجھ سے ہے
نکلی ہے گنگوتری سے تو مثالِ ماہِ نو — تند خو، ہنگامہ خیز و حشر ساماں تیز رو
راہ میں آیا تو ٹکڑے ہو گیا سنگِ گراں — تیری ضربوں سے ہوئے کہسار بھی ریگِ رواں
پھر اوجِ ہمالہ سے تو پستی کی طرف — جانبِ ملکِ عدم سے بزمِ ہستی کی طرف
چلتے آئی تیز گام اور پھر ہوئی مستانہ رو — ہے کہیں طرزِ قدیمانہ کہیں اندازِ نو
گاہ آبِ نرم رو ہے، گاہ ہے سیلِ رواں — گاہ ساحل کا سکوں اور گاہ جوئے نغمہ خواں
نغمۂ ہستی سناتی ہے تو کوہ و دشت کو — اور پیامِ زندگی ہے ہر بلند و پست کو
تجھ کو فطرت نے عطا کی ہے حیاتِ جاوداں — جانبِ مشرق رواں ہے تیرا امیں کارواں
دامنِ پریاگ میں جمنا سے ہے تو ہمکنار — اور کاشی میں تری عظمت کے جلوے آشکار
تیرے اندازِ ادا پر دیوتاؤں کی نظر — ہے مقاماتِ بلندی سے ترا ہر دم گذر
تیری موجیں مضطرب ہیں ترا ساحل پُرسکوں — تیرے سینے میں تلاطم، تیرے طوفاں کو جنوں
تجھ کو کیا آئے خزاں کا دور یا موجِ بہار — کھیل ہے تیرے لئے یہ گردشِ لیل و نہار
تیری عظمت سے ہوا کوہِ ہمالہ سربلند — تیری برکت سے ہوئے دشت و بیاباں ارجمند
پھر سنا وہ قصۂ پارینۂ عہدِ وفا — پھر سنا وہ نغمۂ جاں بخش و سازِ دلربا
ہند کی دیرینہ عظمت تجھ کو اب تک یاد ہے — تیری موجوں میں جہانِ آرزو آباد ہے

ترے ساحل پر نئی آباد ہوں پھر بستیاں
اور بلندی سے بھی رفعت میں سوا ہوں بستیاں

بلبلیں پھر نغمہ خواں ہوں سنبل و گلزار میں
آبشاریں پھر رواں ہوں دامنِ کہسار میں

پھر چمن زارِ محبت میں ثمر آنے لگیں
پھر وہی آثارِ دیرینہ نظر آنے لگیں

حسن ہے منزل مری اور عشق ہے میرا جنوں
موجزن ہو ان رگوں میں بھی اسی دریا کا خوں

اس جہاں میں میں بھی ہوں سیلِ حوادث سے دوچار
وہ سرورِ زندگی کیا موت ہو جس کا خمار

آخر اک دن ڈوب جائیگا سفینہ عمر کا
چور ہو جائے گا گر کر آبگینہ عمر کا

لیکن اے گنگا تری موجیں رہیں گی برقرار
اور یونہی ہوتی رہیں گی ترے ساحل پر نثار

کیا خبر انسان کو کب تک رہیگی تو رواں
منزلِ آخر پہ کب پہونچے گا تیرا کارواں

یہ جہانِ آب و گل جبتک ہے تو ہے موجزن
ہے بہارِ باغِ دنیا سے ترا رنگیں چمن

لیکن اے گنگا تجھے حاصل نہیں عمرِ دوام
اس جہاں کے ساتھ وابستہ ہے تیری صبح و شام

آئے گا وہ دن کہ مٹ جائیگی ساری کائنات
سب فنا ہو جائینگے باقی رہیگی حق کی ذات

پھر کہاں تو اور کہاں تیرا وہ سازِ دلنواز
پھر کہاں امواج و ساحل میں ترے راز و نیاز

ختم ہو جائیگی تیری کشمکش اور جستجو
اس فنا کے بحر میں گم ہوگی تیری آبجو

غزل

(حضرت حبیب اللہ حبیب برنی)

برباد ہوں پہ میری اب آنسو بہائے کون؟ / دل ہی نہیں تو دل کا جنازہ اٹھائے کون؟
اب ہم سے بدنصیبوں کی بگڑی بنائے کون؟ / تم ہی خفا ہوئے تو ہمیں منہ لگائے کون؟
دل دیکے تم نے دل کو مرے غم عطا کیا / غم دیکے دل کو ضبط کا خوگر بنائے کون؟
تم نے تو میرے اشک بھی شعلے بنا دئے / اب یہ بتاؤ دل کی لگی کو بجھائے کون؟

فریاد میری سُن کے وہ کہنے لگے حبیب
سنتا ہے اب کسی کی یہاں ہائے ہائے کون؟

غزل

(حضرت خضر برنی سکریٹری "انجمن فروغ ادب" بلند شہر)

موسیٰ کی طرح خضر کو بسمل بنائے کون؟ / اک بار پھر سے طور پہ جلوہ دکھائے کون؟
دنیا کا یہ نظام مسرت کبھی الم / راحت جو پائیں ہم تو اذیت اٹھائے کون؟
ہنگام دید ضبط کی تلقین ہے فضول / بجلی گرے جو دل پہ تو گھبرا نہ جائے کون؟
کشتی بھنور میں ہے یہ طوفان کا زور و شور / پار اب کسی غریب کی نیا لگائے کون؟

خود ہی نہیں ملا ہمیں منزل کا کچھ نشاں
گم گشتہ خضر آپ کو رہبر بنائے کون؟

غزل

(حضرت حنیف دہلوی)

دل سے کوئے دوست تک آہیں بپا کرتے ہیں ہم
یعنی اب دردِ محبت کی دوا کرتے ہیں ہم

آؤ تم بھی سنتے جاؤ دل کی بربادی کا حال
آؤ تم کو سوزِ غم سے آشنا کرتے ہیں ہم

تم ستم تو شوق سے ڈھاؤ دلِ مجبور پر
یہ کبھی سوچا ہے کبھی تم نے کہ کیا کرتے ہیں ہم

آپ کیوں فکرِ کرم فرما رہے ہیں آج کل
آپ کے جورِ ستم کا کب گلہ کرتے ہیں ہم

ہم سکونِ دل تو صدقہ کر چکے ہیں آپ پر
آئیے اب زندگی دل فنا کرتے ہیں ہم

کیا بتائیں جب خفا ہو کر وہ جاتے ہیں حنیف
بس درو دیوار حسرت سے تکا کرتے ہیں ہم

قطعہ

(حضرت علامہ اقبال)

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بہ دریا غلط و با موجش درآویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

ترجمہ سید حامد

کنارے پر شکوہ زندگی کیا
اٹھو دریا سے طاقت آزمائیں
حیات جاوداں ہے کشمکش میں
لڑیں موجوں سے چاہے ڈوب جائیں

۵۴

غزل

(جناب منشی ولی محمد خاں ولی اورنگ آبادی)

اے بیکسی بتا کہ جنازہ پہ آئے کون؟
دنیا سے اٹھنے والے کی میت اٹھائے کون؟

جو ہے وہاں وہ جلوۂ جاناں یہاں بھی ہے
کس کو ہے ہوش وادیٔ ایمن کو جائے کون؟

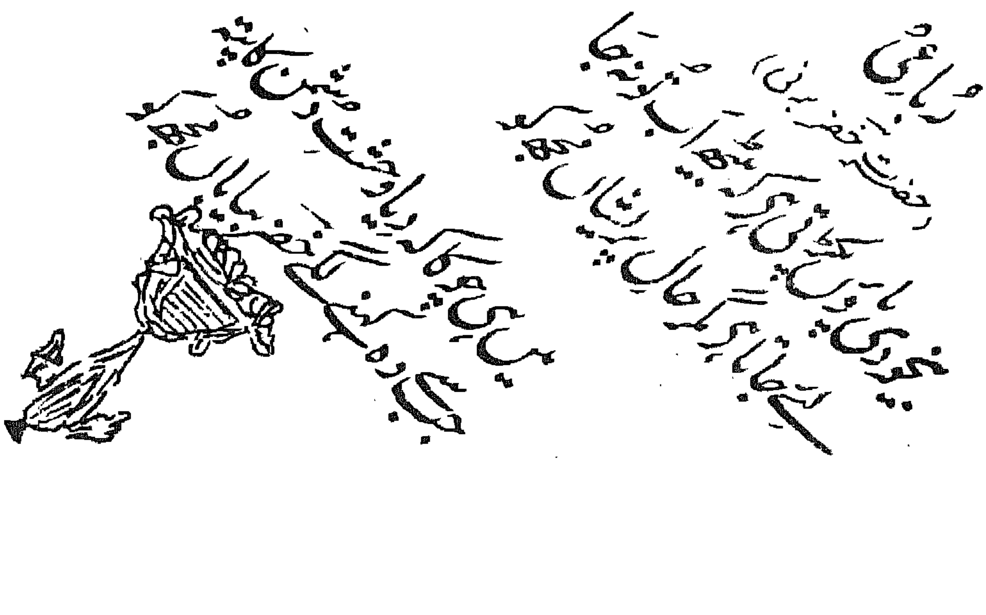
ہم ہیں تو اب نظر بھی اٹھانے کا دم نہیں
تیرے حریم ناز کے پردے اٹھائے کون؟

ماہیم ازل کو الف کونین سب بے خبر
زاہد کو راہِ خانۂ کعبہ بتائے کون؟

ہے کتنی خوش نصیب مری اطلاع مرگ
بے ساختہ یہ سن کے وہ کہتے ہیں ہائے کون؟

چپکاں ہیں اپنے لب لبِ میگوں سے یار کے
ساقی تری شراب کو اب منہ لگائے کون؟

بزم سخن میں ہم بھی چلیں گے میاں ولی
یہ دیکھنا ہے آج کہ انعام پائے کون؟



۵۵

غزل

(حضرت منظر ناصری سکندرآبادی)

آنکھوں سے اُن کے سامنے آنسو بہائے کون؟ غم رازِ دل ہے اسکو فسانہ بنائے کون؟
اِس حُسنِ بے مثال سے آنکھیں لڑائے کون؟ دنیا کو اپنے ذوق کی خاطر مٹائے کون؟
حدِ تعینات سے جب بڑھ چکے نظر دیر و حرم میں جاکے جبیں پھر جھکائے کون؟
ٹکرا رہے ہیں بڑھ کے تلاطم سے اہلِ ظرف ساحل پہ ڈوبنے کو سہارا لگائے کون؟
ساقی کی چشمِ مست پہ سو میکدے نثار ایسی کہاں نصیب ہو ایسی پلائے کون؟
ہر شاخ آشیاں ہے جو فرصت بہار دے جلنے کو روز روز نشیمن بنائے کون؟
جب ہر لحظہ ہو برق ہر اک نازِ جانستاں پھر تم ہی منصفی سے کہو مر نہ جائے کون؟

اِک سانس ہی غریب کہ منظرؔ ہے ہمنوا
ورنہ مریضِ عشق کے پاس آئے جائے کون؟

رباعی

(حضرت حبیب ...)

بن کے بجلی جو گرا اسم اک فتنہ ایجاد
حسن نے مری اک آنکھ سے کیا یاد
اللہ اللہ اثرِ حسرتِ الفت کا حبیبؔ
بن کے بجلی ہو مری آنکھ سے گر کر فریاد

غزل

(حضرت پیامی برنی)

خیالِ دل ملالِ جاں غمِ ہمدم نہیں ہوتا
محبت جس کو ہوتی ہے اُسے کچھ غم نہیں ہوتا

رہینِ ماسوا دل کا کوئی عالم نہیں ہوتا
کمالِ عشق میں نظمِ طلب برہم نہیں ہوتا

خطا کیسی ستم کس کا کرم کی التجا میں کیا
حقیقت میں جب ان کا کوئی غم بھی غم نہیں ہوتا

نہ جانے کیوں وہی محفل ہے انکی اور وہی ہم ہیں
مگر دل اب غریبِ عشرتِ پیہم نہیں ہوتا

چمن میں پھول اک اک موجِ رنگیں کو ترستے ہیں
پسِ پردہ جو وہ غارتگرِ عالم نہیں ہوتا

جمالِ روئے رنگیں کی ضیا پاشی کو کیا کہیے
پیامی چاندنی راتوں میں وہ عالم نہیں ہوتا

غزل

(حضرت سید کفیل احمد کفیل کاکوروی)

جانِ مشتاق نکل جائے تمنا ہو کر
نزع کے وقت وہ آئیں جو مسیحا ہو کر

تم نظر آئے جب اک حسن سراپا ہو کر
ہر نظر حسن ہوئی حاصلِ جلوہ ہو کر

موج کے ہاتھوں میں ہے میری حیات اور ممات
سانس لیتا ہوں حبابِ لبِ دریا ہو کر

گردشِ چشم کو قابو سے نہ جانے دیجے
وہ نہ جائے کہیں عالمِ تہ و بالا ہو کر

مرضِ عشق ہی جینے کا سبب ہے ورنہ
تیرا بیمار تو مر جائے گا اچھا ہو کر

نام عشاق میں آتا ہے ہمارا بھی کفیل
نیکنامی ہوئی حاصل ہمیں رسوا ہو کر

غزل

(حضرت حکم چند منتظر برنی)

جلوہ کسی کا دیکھ کے حیرت میں آئے کون؟
اے چشمِ شوق تجھ کو تماشا بنائے کون ؟

وہ آ رہے ہیں آ کے یہ مژدہ سنائے کون؟
میری شبِ فراق کو رنگیں بنائے کون ؟

ہر جنبشِ نظر میں ہے تاثیر حشر کی
اس شعلہ رو سے بزم میں آنکھیں ملائے کون ؟

ہاں ہاں جلا بھی دے مجھے اے برقِ حسن دوست
آ کر تری پناہ میں دامن بچائے کون ؟

غنچوں پہ تازگی ہے نہ ذرّوں میں آب و تاب
اس فطرتِ خموش کو حرکت میں لائے کون ؟

ہم سے جہاں بھی دل نے کہا سر جھکا دیا
دیر و حرم میں جانے کی زحمت اٹھائے کون؟

جو مٹ گیا ہو رکھ کے ترے آستاں پہ سر
اس خوش نصیب کیلئے آنسو بہائے کون ؟

ساقی کی چشمِ مست کو گردش میں دیکھ کر
دورِ شرابِ ناب کو خاطر میں لائے کون ؟

وہ چشمِ التفات بھی جب تم سے پھر گئی
منتظر ترے خیال کی دنیا بسائے کون؟

رباعی

(حضرت شوخ برنی)

ذرّوں میں نگاہوں سے درخشانی کر
ظلمت کو مطارات کو نورانی کر
دے روح کو فطرت کا پیامِ زریں
لے تاجِ حیات اور جہاں بانی کر

غزل

(حضرت رنگینہ بدبال صوفی صدر انجمن "فروغ ادب" جلندھر)

غرض ہے دیر سے کعبہ بنائے کون؟ — خود ساختہ کے سامنے خود سر جھکائے کون؟

دوست تاب جلوۂ دیدار لائے کون؟ — جب سرکشی گناہ ہے پھر سر اٹھائے کون؟

راہ منزل مقصد میں سب یہاں — راہ نجات پوچھئے کس سے بتائے کون؟

وں کی کیا کمی ہے نظر کا تصور ہے — جب تاب دید ہی نہیں جلوہ دکھائے کون؟

عدم کا راستہ دیکھا ہوا تو ہے — لیکن یہ آنے جانے کی زحمت اٹھائے کون؟

رہنے دیجئے مجھے حرص و ہوا سے دور — اس درد سر کو مول لے بیٹھے بٹھائے کون؟

حت کے لطف میں نے اٹھائے ہیں جب تو پھر — بار الم اٹھائے گا میری بلائے کون؟

صوفی! خجل گناہوں پہ اپنے جہاں سے
بے چارہ ہے منہ کو کفن میں چھپائے کون؟

غزل فارسی

(حضرت اختر دہلوی)

ت فنائے کون و صالت لقائے کون — اے آنکہ بر رضائے تو گشتہ بنائے کون

قصر چہ داشتیم ز اسرار داشتیم — از ما بپرس چیز چیز ما سوائے کون

ہم عشق ہستی ما پارہ خوب گشت — دل از برائے تست جگر از برائے کون

مگر نیاز حقیقی نداشتی — ظاہر جمال زینت باطن ہوائے کون

ستراج ہستی عرفان کردہ اند — بر ساز زندگی نشنیدم صدائے کون

جلوہ از ہزار نہ کردی بجان ما — صد رنگی جمال تو جلوہ نمائے کون

اختر فروغ دانش و بینش نیافتی
تا چشم امتیاز نہ بخشد خدائے کون

غزل

(حضرت سیّد ذوالفقار علی برقؔ بنی)

دیوانگیٔ عشق میں اب کام آئے کون؟ — دستِ جنوں سے دامنِ ہستی چھڑائے کون؟
موجِ نسیم رہتی ہے اب ہم سے دُور دُور — لاکر قفس میں بوئے گُلِ تر سنگھائے کون؟
ہم دِل کو آشنائے حقیقت بنا تو لیں — لیکن انھیں مجاز کی دُنیا میں لائے کون؟
مانا وہ بے وفا ہیں مگر اس کا کیا جواب — جو نقش دل پہ ہے اوسے دِل سے مٹائے کون؟
دِل ہی نہیں تو جراتِ نظارہ کیا کریں — تیرِ نگاہِ ناز کو مہماں بنائے کون؟
درپردہ ہو رہی ہیں جو ہم پر عنایتیں — اس التفاتِ خاص کے انداز پائے کون؟

اے برقؔ تیرا شکوہ جور و جفا درست
لیکن یہ حالِ غم انھیں جا کر سنائے کون؟

قطعات

تصوّرات

(رام سرن ویاس سکندر آبادی)

پھر نہ آزار نہ الزام رہے گا باقی — کب کوئی شغل کوئی کام رہے گا باقی
ختم ہو جائیگا ہر قصۂ دنیا پس مرگ — صرف عالم میں ترا نام رہے گا باقی

فنا مانگتا ہوں بقا مانگتا ہوں — کسی کو خبر کیا ہے کیا مانگتا ہوں
ترے پاک جلووں میں کھو جاؤں یارب! — یہی تجھ سے ہر دم دُعا مانگتا ہوں

غزل

(حضرت شیدا اخورجوی)

موت کا آنا بھی ایسی بیکسی میں کم نہیں
میں تو سمجھا تھا مرا کوئی شریک غم نہیں

عشق میں ناکامیٔ تقدیر کا کچھ غم نہیں
غم تو اس کا ہے کہ تیرے غم کے قابل ہم نہیں

دل سے وقتِ نزع بھی تیری محبت کم نہیں
شمع بجھنے کو ہے لیکن روشنی مدھم نہیں

اب میں سمجھا تیرے غم میں آنکھ کیوں پُر نم نہیں
زندگی بھر کا ہے رونا ایک دن کا غم نہیں

اور کیا سمجھیں اسے ترکِ تعلق کے سوا
ہم سے خوش بھی کو لیتے ہو تم اگر برہم نہیں

چند ایسے بھی تو سجدے ہیں جبینِ شوق میں
جو ادا بھی ہو رہے ہیں اور سر بھی خم نہیں

یہ تو خود شرمندۂ کم مائیگی ہیں چارہ گر
دل کے زخموں میں ابھی گنجائشِ مرہم نہیں

ایک ہم بھی ہیں جنھیں دنیا کا ہر غم ہے عزیز
ایک وہ بھی ہیں جنھیں دنیا میں کوئی غم نہیں

ہو گیا شیدا یہ کیسا زندگی میں انقلاب
میں تو ہوں لیکن مرا پہلا سا وہ عالم نہیں

نوٹ:- نہایت افسوس کیساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ہمارے جوان سال شاعر شیدا اخورجوی عالم فانی سے رخصت ہو گئے اس سانحہ کی خبر اس غزل کے مطلع میں ملتی ہے

قطعہ

(حضرت کلیم برنی)

کسی کا اگر آج عزمِ سفر ہے
تو کل کوئی رخصت بہ نوعِ دگر ہے

اسی طرح اِک دن فنا ہو گی دنیا
پتہ بھی نہ ہو گا کہاں سے کِدھر ہے

غزل

(مولانا قاضی حافظ الدین نشتر سکندرآبادی)

جس نے سمجھا ہے تجھے حسنِ نظر شانِ بہار
بالیقیں ہے وہ امینِ رازِ پنہانِ بہار

تیرے عکسِ عارضِ گلرنگ سے شانِ بہار
تیرا اندازِ تبسم صبحِ خندانِ بہار

ہر قدم فکرِ قفس ہر لحظہ ارمانِ بہار
کیا قیامت ہو گیا احساسِ عرفانِ بہار

باعثِ بربادیٔ گلشن ہے طوفانِ بہار
آتشِ گل سے بھڑکا جاتا ہے دامانِ بہار

سینہ زخمی دل سراپا داغ آنکھیں خونچکاں
زندگی کا راز لکھتا ہوں بعنوانِ بہار

ہم خزاں میں بھی قفس کے خواب ہی دیکھا کئے
ہو گئیں آزادیاں بھی اپنی قربانِ بہار

کھو کے دل پیری میں یاد آتا ہے گلزارِ شباب
ہم بہاروں میں لٹے پھر بھی ہے ارمانِ بہار

ہم کہاں گلشن کہاں احباب کی صحبت کہاں
وہ تو ہونا تھا ہمیں ممنونِ احسانِ بہار

حسن نے بدلا ترے گلزارِ عالم کا مزاج
اب خزاں بھی آتی ہے ہمرنگ ہم شانِ بہار

یوں مرتب ہم نے کی ہے داستانِ رنگ و بو
دل میں داغِ آشیاں آنکھوں میں سامانِ بہار

یہ مرے رنگیں مضامیں یہ مرا رنگِ بیاں
مجھ سے بڑھ کر کون ہے نشتر ثنا خوانِ بہار

قطعہ

(حضرت کوثر برنی)

پینے کی رات صورت ہم نے نئی نکالی
آہٹ پہ کان رکھے در پر نظر جمالی

دو چار گھونٹ پی کر دیکھا جو محتسب کو
شیشے بھی توڑ ڈالے توبہ بھی توڑ ڈالی

غزل

(حضرت کوثر برنی)

اے آتشِ فراق ترے پاس آئے کون؟ وہ تو لگا کے چل دیئے آکر بجھائے کون؟
میں اور ذوق و شوق کا دعویٰ غلط غلط دشمن کو دوست، دوست کو دشمن بنائے کون؟
امواجِ بحرِ عشق نے دل کو کیا تباہ جب ناخدا نہیں ہے تو کشتی چلائے کون؟
میں اس کو مانتا ہوں مٹا دو گے تم مجھے جو لکھ گیا نصیب میں اس کو مٹائے کون؟
دل کو حرم کا شوق ہے آنکھوں کو دیر کا میں جاؤں کس طرف مجھے رستہ بتائے کون؟
جس کو نہ ہو یقیں وہ دل دیکھے دیکھ لے الفت جسے بگاڑ دے اس کو بنائے کون؟

بیکس خراب حال پریشاں شکستہ دل
جس میں ہوں یہ برائیاں کوثر بلائے کون

غزل

(حضرت صابر)

اگر وہ مسکرا کر رہ گئے ہیں دو عالم جگمگا کر رہ گئے ہیں
ہزاروں بار مجبورانِ الفت حقیقت کو چھپا کر رہ گئے ہیں
ہماری گفتگو کیا آرزو کیا حدیثِ دل سنا کر رہ گئے ہیں
تصور ہی کیا جب عرضِ غم کا مرے لب تھرتھرا کر رہ گئے ہیں
اگر وہ چل دیئے ہیں مسکرا کر تو ہم آنسو بہا کر رہ گئے ہیں
کسی کے در پہ اب کیوں جاؤں صابر وہ میرے دل میں آکر رہ گئے ہیں

غزل

(حضرت صابر دہلوی)

میری جانب سے جو منہ پھیرے ہوئے جاتے ہیں آپ
آج کچھ بیگانے بیگانے نظر آتے ہیں آپ

ہے اسی کا نام شاید ارتباطِ حسن و عشق
جب کبھی ہوتا ہے دل میں درد یاد آتے ہیں آپ

کیوں مرے درد آشنا دل پر ستم کم کر دیئے
کیا مرے ذوقِ طلب میں کچھ کمی پاتے ہیں آپ

کیا قیامت ہے کہ دے کر اضطرابِ مستقل
اور اس پر صبر کی تلقین فرماتے ہیں آپ

اس قدر بیگانگی صابرؔ سے اتنی بے رخی
سوچئے تو دل میں کیا کیا ہوئے جاتے ہیں آپ

قطعہ

نشاط کدہ

(حضرت کوثر [illegible])

کب مائلِ الطاف و عطا ہو نہیں سکتا
وہ چاہے تو ہو سکتا ہے کیا ہو نہیں سکتا

انسان نے سمجھا ہے فراست سے خدا کو
جو دورِ بشر سے ہو خدا ہو نہیں سکتا

بے شغل گئے زاہد گھر جانے سے کیا مطلب
آیا ہے تو جے پی لے شرمانے سے کیا مطلب

جنت تو قیامت میں ملنے سے رہی تجھ کو
اللہ کے بندوں کو بہکانے سے کیا مطلب

غزل

(حضرت آغا سرخوش قزلباش دہلوی)

مدت ہوئی کہ ایک ہی عالم نظر میں ہے
شاید ترے خیال کی دنیا سفر میں ہے

اے ملتفت نگاہ۔ نہ مانوس کر مجھے
اک عشق نامراد ابھی چشم تر میں ہے

فردوس کا سکوں ہے، جہنم کا اضطراب
کتنا تضاد لطف تری رہ گزر میں ہے

وہ لذتِ نگاہِ مسلسل میں بھی نہیں
جو اک خصوصیت نگہِ مختصر میں ہے

تیرے بغیر گردشِ عالم تو ہے مگر
اک فرض سا تسلسلِ شام و سحر میں ہے

آپ اور احتمالِ وفا....؟ جانے دیجئے
کیا پیاس کا علاج بھی آبِ گہر میں ہے

قطعہ

(حضرت بسمل شاہجہانپوری)

شجاعت رو رہی ہے سندھ کے اُن نوجوانوں پہ
کمندیں ڈال دیتے تھے جو بڑھ کر آسمانوں پہ
اُٹھو آغوشِ تاریکی سے اے ہندوستاں والو!
نگاہِ برقِ یورپ پڑ رہی ہے آشیانوں پہ

یادِ حبیب

(حضرت سید حسن برنی ایڈووکیٹ بلند شہر)

یادِ زلفِ تابدار آید ہمی
یادِ موئے مشکبار آید ہمی
(۱)
یادِ زلفِ تابدار آنے لگی
یادِ موئے مشکبار آنے لگی

در فراقِ آں نگارِ سیمتن
یادِ دورِ زرنگار آید ہمی
(۲)
اُس نگارِ سیمتن کی یاد میں
یادِ دورِ زرنگار آنے لگی

شوقِ دیدارش ندارد ہیچ حد
آرزوئے کوئے یار آید ہمی
(۳)
شوق اُن کی دید کا حد سے بڑھا
آرزوئے کوئے یار آنے لگی

بادیہ گردی نگیرد راہِ من
یادِ بزمِ پُربہار آید ہمی
(۴)
بادیہ گردی نہ روکے گی مجھے
یادِ بزمِ پُربہار آنے لگی

تارِ تارِ پیرہن شد تار تار
نکہتِ گیسوئے یار آید ہمی
(۵)
تار تارِ پیرہن ہے تار تار
نکہتِ گیسوئے یار آنے لگی

ابرِ تیرہ شد مسلط بر ہوا
یادِ گشتِ مرغزار آید ہمی
(۶)
ابرِ تیرہ آسماں پر چھا گیا
یادِ گشتِ مرغزار آنے لگی

آں بساطِ پُر فضائے سبزہ زار
یادِ رودِ آبشار آید ہمی
(۷)
وہ بساطِ پُر فضائے سبزہ زار
یادِ رودِ آبشار آنے لگی

آں خرامِ باجمالِ باوقار
یادِ کبکِ کہسار آید ہمی
وہ خرامِ باجمالِ باوقار
یادِ کبکِ کہسار آنے لگی

آں کلامِ پُر مذاق بانمک
یادِ نطقِ شاہوار آید ہمی
(۹)
وہ کلامِ پُر مذاق بانمک
یادِ نطقِ شاہوار آنے لگی

درمیانِ صحنِ گلشن وقتِ گشت
یادِ حسنِ گلعذار آید ہمی
(۱۰)
درمیانِ صحنِ گلشن وقتِ گشت
یادِ حسنِ گلعذار آنے لگی

بر کنارِ رود آں لطفِ سرود
یادِ وجدِ رودبار آید ہمی
(۱۱)
وہ کنارِ رود پر لطف و سرود
یادِ وجدِ رودبار آنے لگی

آں صدائے بربط و مینا و چنگ
یادِ عیشِ کامگار آید ہمی
(۱۲)
وہ صدائے بربط و مینا و چنگ
یادِ عیشِ کامگار آنے لگی

وقتِ رخصت آں سلامِ الوداع
یادِ جانِ بیقرار آید ہمی
(۱۳)
وقتِ رخصت وہ سلامِ الوداع
یادِ جانِ بیقرار آنے لگی

امتحانِ جذبِ دل بینی مگر
گردِ راہِ پُر غبار آید ہمی
(۱۴)
امتحانِ جذبِ دل ہے دیکھنا
گردِ راہِ پُر غبار آنے لگی

طوطیائے چشمِ عاشق می شود
خاکِ پاکِ کوئے یار آید ہمی
(۱۵)
طوطیائے چشمِ عاشق وہ بنی
خاکِ پاکِ کوئے یار آنے لگی

یک نگاہ و صیدِ بسمل صد ہزار
یادِ چشمِ برقبار آید ہمی
(۱۶)
ایک نظر میں صیدِ بسمل سو ہزار
یادِ چشمِ برقبار آنے لگی

چشمِ گریاں شد رواں چوں ابرِ تر
یادِ یارِ غمگسار آید ہمی
(۱۷)
چشمِ گریاں ہے رواں چوں ابرِ تر
یادِ یارِ غمگسار آنے لگی

فریبِ مشاہدہ

(حضرت شوخ برنی)

ضبط نے سر جھکا دیا پائے جنوں سوار پر
عشق بہ شوق لے چلا حسن کی رہگذار پر

دیدِ طلب نگاہ میں برق سی کوندنے لگی
طور سمٹ کے آگیا مرکزِ انتظار پر

انجم و ماہ و کہکشاں، شعلہ و برق و آفتاب
مثلِ نگاہ چھا گئے چشمِ کشودہ کار پر

کھنچ کے نظر میں آگئیں دید کی قوتیں تمام
شوق کا آئینہ لگا منظرِ جلوہ بار پر

لاکھ نگاہ در نگاہ دید کا التزام تھا
آنکھ مگر نہ جم سکی جلوہ گہِ نگار پر

برقِ تجلیات کی تاب نظر نہ لا سکی
جلووں نے ہاتھ رکھ دیا دیدۂ انتظار پر

ہوشِ نگاہِ ناز کی جلوہ گری میں کھو گیا
روح تڑپ کے گر پڑی فطرتِ بیقرار پر

ہوش گیا تو بیخودی رہبرِ دید بن گئی
پڑنے لگی نگاہِ شوق بابِ حریمِ یار پر

ہونے لگے مشاہدات حسن کی بارگاہ میں
وجد کہاں ہے ہر نظر عشق کے شاہکار پر

طورِ نظر میں حسن کی جذب ہوئیں تجلیاں
نور ہی نور چھا گیا عالمِ اختیار پر

بلکہ حریمِ ناز کے پردوں کو جنبشیں ہوئیں
شوق تمام اڑ چلا شہپرِ اعتبار پر

عشق حضورِ حسن میں سر بسجود ہو گیا
نور کی بارشیں ہوئیں قلبِ وفا شعار پر

حاصلِ حسن بن گئی عشق کی فطرت تمام
چمکے نقوشِ مدعا چلمنِ پردہ دار پر

برقِ نظارہ سوز سے جل کے نگاہ رہ گئی
جلووں میں گھر کے کھو گیا عشق درِ نگار پر

سازِ الست پر کوئی غیب سے نغمہ زن ہوا
حسن کا راز، راز ہے خلقتِ انتظار پر

آج بھی نغمہ ریز ہیں حسن کی لن ترانیاں
چھائی ہوئی ہے بیخودی ایمنِ جلوہ بار پر

حسن کی بزمِ ناز کا پردۂ اولین ہے
جس کی جھلک ہے عشق کے پرچم کامگار پہ

”سزا پائی ہے“

(حضرت شجاع احمد زیبا)

شعلیں تھک کے ستاروں کی بجھی جاتی ہیں — ان کو برسوں سے ہے اک رہروِ منزل کی تلاش
دل کی تجدیدِ تمنا پہ یہ اکساتی ہیں — اور ہم چھوڑ چکے آپ کی محفل کی تلاش

جی کے بہلانے کا اب کوئی سہارا ہی نہیں — روح بے کیف سی ہے سازِ جنوں ٹوٹ گیا
اب ان آنکھوں میں محبت کا اشارا ہی نہیں — ان فسوں کار نگاہوں کا فسوں ٹوٹ گیا
ان کو بے باکیٔ فریاد گوارا ہی نہیں — آخرش سلسلۂ سوزِ دروں ٹوٹ گیا

کوئی عنوان ہی افسانۂ ہستی کا نہیں — زندگی رُخ پہ حوادث کے بہے جاتی ہے
ہے وہی گردشِ ایام وہی لیل و نہار — ایک بے نام ستم روح سہے جاتی ہے

سننے والا کسے معلوم، کوئی ہے کہ نہیں — شکوۂ تلخیٔ اربابِ وفا کون سنے
میں بھی آزاد نہیں میری فغاں بھی مجبور — خوگرِ حمد کا خاموش گلا کون سنے

اک کلی اپنی ہی خوشبو سے معطر سرمست — آخرِ شب چمنستانِ جہاں میں آئی
اپنے افسانۂ آغاز سے ناواقفِ محض — بے دھڑک کارگہِ شیشہ گراں میں آئی
خوش نہ تھی ہستیٔ موہوم سے اپنی یعنی — آپ ہی دائرۂ وہم و گماں میں آئی
یعنی اک جانِ ارم، باغِ ارم سے کھنچ کر — خود بخود حلقۂ زنجیرِ خزاں میں آئی

ہے کسی پھول کی سوکھی ہوئی پتی شاید — اپنے ہمراہ ہوا اس کو اڑا لائی ہے
جانے بیچارہ یہ کس باغ کا باسی ہوگا — دو گھڑی شاخ پہ ہنسنے کی سزا پائی ہے!!

حشرات الارض

(ابنِ حسن برنی)

سربلندی سے دھانی پودوں کی زیست کی سرفرازی تھی
نرم دھرتی ماں کی گود تھی برکھا رُت سے دُکھ درد میں سہارا تھا
فلک پیما بادلوں نے زمیں سے بڑھایا تھا میل
کہ فروغ پائیں سُکھ کی راہیں
چہروں پر رونق تھی، آنکھوں میں رس تھا، باتوں میں جادو۔
راتوں کو چندرماں اپنی خواب گاہ سے نکل آتا تھا کہ دیکھے
آغوشِ محبت میں سجنی کی سُندرتا
کیسے ماند کر دیتی ہے اس کے جلوے!
ہرے بھرے کھیتوں میں یوں آواز ملا کر گاتے تھے جیون ساتھی
جیسے ننھے پودے اُن کے گیتوں سے ہی تو پروان چڑھیں گے
کون کہہ سکتا ہے سُریلے گیت
جگا نہ دیتے تھے اُن کنواریوں کو خواب نوشیں سے
ننھی جل پریاں سطحِ آب سے جھانک کر دیکھتی تھیں تبسم امید افروز
تمنائیں مچلنے لگتی تھیں
کرنے کو دامن گہربار!

کہتے ہیں قدرت کا بے پایاں خزانہ ہے
ماہ و انجم کا تبسم ہے، زہرہ و ثریا کا ترنم ہے، شفق کی تابانی ہے
شہرتیں ہیں، عظمتیں ہیں، بلندیاں ہیں، حیاتِ جاودانی ہے
چمن کے چمن مسکرا اٹھیں جس سے بادلوں میں وہ پانی ہے
قدرت کا دل فیاض ہے نعمتوں کی فراوانی ہے
ہاں یہ ایک رنگین کہانی ہے

رنگین کہانی غم زیست کا مداوا بن جاتی !
خشک پیڑ اگر دیتے زمیں کی خشک چھاتی میں گداز
دھان پرتی سر جھکا کر جہاں ٹٹولتی ہے شبنم کی تمنا کی
لا حاصل !
امید موہوم سے ٹمٹماتی ہیں آنکھیں
ٹمٹماتی آنکھیں ——————— ایک دن کی آشا، دو دن کا انتظار
ماں دیوی مورت جیسی پتھر، سرد، بے حس، فراموش کار !
اے کاش زمانہ جیسا ہو کے
آسمان کے کناروں سے جھانک کر دیکھے بے رحم آفتاب سرنگوں زیست کی تحقیر
دکھ درد کا ساتھی جیند رہاں دکھ درد سے ان کے اپنے پڑ جائے
یا جیا من اندر کے خضور
ڈوبنے شہاب ثاقب ——————— ستاروں کا سفیر
ڈوبتے ہیں کی زیست بے خواب نا تکیوں ہیں -
یہ دیوتاؤں کا جواب ہے ؟ ؟
بادل نہ آئے، بادل نہ آئے برکھا نہ برسی
خاک میں ملا زندگی کا افتخار
طائر قفس زیست بیقرار
آہستہ چلو !
آہستہ ؟
نشانہ فلک بوس محلوں کا سنگین سڑکوں کا ———————
سر ٹکرائے نہ جا سکنے تھے خستہ و بوسیدہ دیواروں سے
جن کے سہارے تیاں پروان چڑھے تھے
جن آشناؤں نے جہاں نم توڑا تھا ———————
جن گل کاریاں قصر زرین کی کچھ رونق تو بڑھا نہ دیں گی
سنسناتی موٹریں سکاٹو میں سڑکوں سے سرخ نشان
فلک بوس عمارتیں لوٹا کر تھے ماریں گی آہیں، استدعائیں، التجائیں
جن کی آزاد فضاؤں میں تو آواز کھو جاتی ہے
یہ سوچتے ہیں غمگسار
دیوتاؤں نے دعائیں سن لیں آخر کار !
ٹھہراتی ساعتیں سہارا پاتی ہیں امید موہوم کا ———————

امیدِ موہوم کی چشمِ انتظار کیوں بھٹکتی ہے راہوں پہ؟
کیا سوچ کر جادہ پیما ہوا ہے امیدِ موہوم کا کارواں؟
گمنام راہوں پر نا قابلِ شناخت ڈھانچے
کچھ دیوتاؤں نے نگاہیں دلوں میں پیدا آرزو کر دیں کے گداز
کیوں بڑھے جا رہے ہیں حشرات الارض کے قافلے؟
حشرات الارض کہتا ہوں انسان کہہ نہیں سکتا
انسان ہوتے تو بڑھتے مٹانے کو قصرِ عشرت کے نشان
بے نشاں ہو جائیں گے جہاں اُن کے کارواں!

اٹھے قدم متزلزل ہیں رکے قدم لڑکھڑائے جاتے ہیں
ہر قدم پہ کوئی نہ کوئی گرتا ہی جاتا ہے
بڑھے قدم کسی کو اٹھا نہیں سکتے
جس دل میں پیت کی آگ تھی وہ دل سرد ہوا وہ دل مر گیا
اجڑی بستی میں ٹمٹماتا ہے بس اب بھوک کا دیا
یہ بھوک ہے کہ جمع ہونے ہیں گدھ، چیل اور کوّے؟
یا سیاہ پوش جماعت ہے نوحہ گر
شہیدوں کی لاشوں پہ؟؟
فلک جن کو مٹا نہ سکا، زمین جن کو چھپا نہ سکی
بھول نہیں سکتے اِن کا احسان
چھپا کر لے جائیں گے شہیدوں کا گوشت پوست اپنے دامن میں
اور ہڈیوں کو بھی منتشر کر دیں گے لامحدود وسعتوں میں
یوں آبرو رہ جائے گی انسانی بے بضاعتی کی بیچارگی کی
اور نہیں تو سکیں گے فلک انسانوں کے مارے انسانوں پہ
اُجالے راہیں جو یوں قدم روکے لیتی ہیں
ہمدرد ہیں، غمخوار ہیں، لاج سے مری جاتی ہیں
ہے تمنا کہ گمنامیوں میں چھپا دیں حیاتِ گراں مایہ کی شکست
مگر کون روک سکتا ہے آتش آہنگ ہیولوں کا کارواں
بے زبان راہ کی بات کون سمجھے کون مانے؟!
قدم بڑھتے ہی جاتے ہیں سوئے منزل

منزل؟
ہاں منزل!
(منزل ہے وہی جہاں زندگی گھٹنے ٹیک دے!!)
دیکھیں گے انسانی خدائی کے جلوے
دیوتاؤں نے تو کبھی کا فلک پر کیا تھا فراموش
زیر آسماں بھی اب کوئی پرسانِ حال نہ رہا
بیچارگی اشرف المخلوقات کی سو نہیں سکتی
حشرات الارض کہتا ہوں انسان کہہ نہیں سکتا
الناس سرکے تو خریدے لیتے بغاوت کی قوت سے حیات لافانی
رگ بزدلی کیا کٹے گی؟ . . . .

لڑکھڑاتے قدم بڑھتے ہی جاتے ہیں
اور کہیں دور ـــــــــــــ
درندوں کی بیٹھ اپنی آنکھیں تکتی ہیں شکار کی راہ . . . .
! ـــــــــــــــــــــــــــــ

کسی کی چشم استفہام سے حیرانی میں نظریں؟
یا سرنگوں ہے قابیل کے تبسم سے؟
کیوں منہ چھپا کر روتا ہے بالائے افلاک
انسانوں کا پہلا جوڑا؟ ؟!!

قطعہ تاریخ طبع گلدستہ ہذا

(از رحمت بلند شہری)

کیوں نہ بے مثل ہو یہ گلدستہ — دیکھئے جوہر کمال سخن
عیسوی سال طبع اے رحمت — کہہ دو تم مظہر کمال سخن

۹ ۶ ۴ ۱ ۱

رام سرن سنگھل نے

منشی ہر پرشاد (الیکٹرک) پریس بلند شہر میں حسب فرمائش آغا سرخوش قزلباش

مالک ہندوستانی پبلشرز دلّی

چھاپا

DUE DATE

[illegible] ۸۹۱۴۶۳۱۰۸

([illegible]) ۳۲۶۳۸

Date	No.	Date	No.